مولانا ابوالکلام آزاد

مضمون نگاری مقابلہ

(انعام یافتہ مضامین ۱۹۹۹-۲۰۰۰ء)

انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب

انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز

عرضِ ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کی آزادی کے عظیم معماروں میں سے ایک اہم شخصیت اورآزاد بھارت کے پہلے وزیرِ تعلیم تھے۔ وہ ہماری مشترکہ تہذیبی وراثت کے علم بردار تھے۔ انہوں نے بصیرت افروز اسلامی علوم اور مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے کی آگہی سے ہندوستانی ثقافت کو مالا مال کیا۔ وہ بیک وقت عصری مسائل کے ساتھ جدید، جمہوری، غیر مذہبی اور ترقی پسند ملک ہندوستان کے مستقبل کی بھرپور بصیرت بھی رکھتے تھے۔

انہوں نے ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم کی حیثیت سے ملک کے تقاضوں اور مطالبات سے ہم آہنگ تعلیمی پالیسی کی بنیاد رکھی۔ سائنسی، تکنیکی اور ثقافتی تحقیق کی ترقی اور فروغ کے حامل بڑی تعداد میں اداروں کے قیام کے روحِ رواں مولانا آزاد ہی تھے۔ اگر دنیا میں ہندوستان کی سائنسی اور تکنیکی کامیابیوں کو قدر کی نظر سے دیکھا جارہا ہے تو یہ صرف مولانا آزاد کی دوررس نگاہوں کی دین ہے۔

ثقافتی میدان میں اُن کے قائم کردہ تین اداروں جیسے رقص وموسیقی کے لئے سنگیت کلا اکاڈمی، ادب کے لئے ساہتیہ اکاڈمی اور فنونِ لطیفہ کے لئے للت کلا اکاڈمی ملک کی تہذیبی عظمت کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کررہے ہیں۔

ایک دوسرا میدان جس میں مولانا نے دیرپا نقش چھوڑے ہیں وہ بیرونی ممالک سے ثقافتی رشتوں کی توسیع وترویج ہے۔ اپریل ۲۰۰۳ء میں ۵۳/برس پورے کرنے والا ادارہ

انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب

ناشر :

سوریہ کانتھی ترپاٹھی

ڈائرکٹر جنرل

انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز

آزاد بھون، آئی۔ پی۔ اسٹیٹ، نئی دہلی ۔۱۱۰۰۰۲

تزین و طباعت :

شپرا پبلی کیشنز

دہلی ۔۱۱۰۰۹۲

پس منظر

جناب ہمایوں کبیر، اس وقت کے وزیر شہری ہوابازی، نے ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۸ء کو جب انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کو مولانا آزاد کی کتاب ''انڈیا ونس فریڈم'' کا مسودہ اس درخواست کے ساتھ پیش کیا کہ اشاعت سے حاصل ہونے والی رقم سے ''مولانا آزاد انعامی فنڈ'' قائم کیا جائے۔ منافع کی رقم سے کسی غیر مسلم ہندوستانی شہری کا اسلام پر اور کسی ہندوستانی مسلمان کا ہندو مذہب پر انگریزی میں لکھے گئے دو بہترین مضامین کو سالانہ انعام کے لئے منتخب کیا جائے۔ ان معمولی شروعات سے مولانا آزاد مضمون نگاری مقابلہ کا ۱۹۸۹ء میں آغاز کیا گیا۔ یہی سال ملک کے پہلے وزیرِ تعلیم اور انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کے بنیاد گزار صدر کی سوسالہ پیدائش کا زمانہ بھی تھا۔

ہندوستان اور سارک ممالک کے ۳۰ سال سے کم عمر رکھنے والے تمام شہریوں کے لئے یہ مقابلہ عام ہے۔ موضوعات عام طور پر مولانا آزاد کی زندگی، نظریات اور تصورات سے متعلق ہوتے ہیں۔ انعام مالی رقم اور سند پر مشتمل ہوتا ہے۔ کسی معزز شخصیت کے ہاتھ انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کے زیرِ اہتمام منعقد کئے جانے والے مخصوص جلسے میں یہ انعامات پیش کئے جاتے ہیں۔ سن ۱۹۹۰ء میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کسی مشترک عنوان پر اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں مضامین تسلیم کئے جائیں گے۔ سن ۹۵-۱۹۹۴ء میں ان تینوں زبانوں میں مقابلے کے لئے وسیع تر موضوعات پسند کئے گئے۔ سن ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء کے لئے حسبِ ذیل عنوانات تھے۔

انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز (آئی.سی.سی.آر.) بھی ان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ملک کے عظیم فرزند اور انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے بنیاد گزار صدر کی حیرت خیز یادگاری خدمات کو تازہ رکھنے کے لئے ۱۹۸۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد مضمون نگاری مقابلہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ سالہا سال سے مضمون نگاری کے مقابلے نے ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے نوجوان شہریوں کے اندر شرکت کا بے مثل جوش و خروش پیدا کیا ہے۔

مولانا آزاد کے پسندیدہ اور عصری اہمیت کے حامل موضوعات پر اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں مضامین طلب کئے جاتے ہیں۔

۲۰۰۲ء سے دنیا کے تمام ممالک کو اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ انڈین کلچرل سینٹر اور ملک کے بیرونی سفارت خانوں کے ذریعہ مضامین حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کوشش کا پر جوش خیر مقدم کیا جائے گا۔ خاص طور پر ان بیرونی ممالک میں جہاں بڑی تعداد میں ہندوستانی باشندے آباد ہیں۔

سال ۲۰۰۲ء میں کاؤنسل نے عربی زبان میں بھی مضمون نگاری کے مقابلے کو شروع کر کے اس دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے۔ میں اس مجلّے کی اشاعت کے لئے مضمون نگاری کے مقابلے کے تمام نوجوان شرکاء اور مقابلے کے فیصلوں میں شامل جیوری کے مقتدر ارکان کی صبر آزما کوششوں کے لئے دل سے معترف ہوں۔

(سوریہ کانتھی ترپاٹھی)
ڈائرکٹر جنرل
انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز

ترتیب

انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب

پہلا انعام.. 1

حکیم رئیس فاطمہ

دوسرا انعام.. 30

کلیم صفات اصلاحی

تیسرا انعام.. 49

حنا صدیقی

اردو : ''انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب''

ہندی : ''وبھن سمپر دائے اور راشٹر واد''

انگریزی : ''ڈائیلاگ ایمنگ سویلیز یشنز اے دے ٹو انٹرنیشنل پیس اینڈ انڈر اسٹینڈ نگ''

سن ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء مضمون نگاری کے مقابلے میں انعام پانے والے گیارہ میں ایک شری لنکا اور ایک بنگلہ دیشی نوجوان بھی شامل تھے۔

انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب

از : حکیم رئیس فاطمہ

اس کائنات میں چند ایسے ممالک بھی ہیں جنہوں نے اپنی تہذیب وتمدن کے ذریعہ انسانیت کی فلاح و بہبود میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔ ان میں چند اہم ممالک ہیں۔ یونان نے جہاں عہدِ قدیم میں نسلِ آدم کو عروج عطا کیا تھا، وہیں اس تہذیب نے غیر مہذب اطوار کو بھی فروغ دیا اور خود ہی اپنی تاریخ کو آگ کے دریا میں تبدیل کر دیا۔ جنوبی ایشیا کی تہذیبی تاریخ یونان کے برعکس ایک مہذب تاریخ رکھتی ہے۔ جنوبی ایشیا میں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس نے سارے عالم کو امن کا پیغام دیا۔ یہ پیغام کبھی گوتم بدھ کے ذریعہ عام ہوا تو کبھی مہابیر کے وسیلے سے۔ کبھی حضرت معین الدین کی غریب نوازی کے ذریعہ تو کبھی حضرت گیسودراز کی بندہ نوازی کے ذریعہ۔ کبھی نانک کے ذریعہ تو کبھی کبیر کے دوہوں کے ذریعہ اور کبھی مہاتما گاندھی کے تصور ''اہنسا'' کی مدد سے دنیا کے سامنے آیا۔

ہندوستان جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے اس ملک کی تہذیب نے ایشیا کے دوسرے ممالک کی تہذیب وتمدن کو بے انتہا متاثر کیا ہے۔ تہذیب، نسل آدم کی تربیت کا نام ہے۔ یہی تربیت انسان کو حیوان بننے سے روکتی ہے اور یہ انسانیت کی جنوبی ایشیا کی اہم ترین دین ہے۔

اس مقالے میں انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس قطعۂ آراضی کی تاریخ، تمدن اور تہذیب کو ابتدا میں جدا جدا طریقے سے بیان کیا گیا۔ آخر میں Synthesis بیان کیا گیا ہے۔

ہیں۔لیکن عابد حسین کے نزدیک تمدن تہذیب کے مادی پہلو کی ایک ترقی یافتہ حالت کا نام ہے۔لکھتے ہیں:

> ''اگر تمدنی زندگی کے تعلقات قوموں کو مذہب اور اخلاق سے بے پرواہ کردیں یا انہیں اتنا آرام طلب بنادیں کہ وہ اپنی حفاظت کے قابل نہ رہیں۔تو تہذیب کو نئی زندگی بخشنے کے لئے ایک کھوکھلے اور فرسودہ تمدن کو مٹانے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

کلچر یا تہذیب وہ منتشر اکائی ہے جس میں علم وہنر،عقیدہ،آرٹ،فن،اخلاق،قانون،رسم و رواج اور وہ تمام صلاحیتیں ولیاقتیں اور عادتیں شامل ہیں جو انسان نے سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے اکتساب کی ہیں۔

قدیم ہندوستانی تہذیب کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے تمدن پر زیادہ زور دیا ترقی پر کم۔یہ تمدن مستی واندیشہ ہائے افلاک سے سروکار زیادہ رکھتا تھا۔زمین کے ہنگاموں کو سہل کرنے کا عزم اس میں کم تھا۔اسی لئے اسے ہماری تاریخ کے وسطی دور میں ٹکنالوجی کی مدد سے نئے خول کی ضرورت ہوئی اور ایک عرصہ کی کش مکش کے بعد اسے وقار نصیب ہوا جو مغل عہد کی خصوصیت ہے۔اس تہذیب پر مذہب کا سایہ تھا۔مگر اس نے دنیا کے کاروبار شوق کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا۔بالفاظ دیگر جینے کا سلیقہ سیکھ لیا تھا۔اس کی فکر پر تصوف کا غلبہ تھا جو ہمہ اوست کے فلسفہ کا مظہر تھا۔اس میں صوفیوں کے فرمان اور بھگتی تحریک کی تعلیمات کے اثرات نے ایک رواداری ومساوات پیدا کردی تھی۔جو مذہبی کٹرپن سے گریز کرتا تھا اور سچائی کا جلوہ ہر رنگ میں دیکھنے پر اصرار کرتا تھا۔اس میں مذہبیت کے ساتھ رندی،عقیدہ کی پختگی کے ساتھ برتاؤ میں وسیع المشربی اور رواداری،شہریت کے لوازمات کے ساتھ فطرت سے قرب،

تہذیب کے معنی ہیں انسان کا اپنی ذہنی اور اخلاقی قوتوں کو ترتیب دینا اور انہیں کام میں لانا۔ تہذیب کے اس سے زیادہ مشہور معنی ہیں پاکیزہ اور پسندیدہ اخلاق و ادب۔ جس شخص کی طبیعت، چال ڈھال، گفتگو اور برتاؤ میں ایک خاص موزونیت اور دلکشی ہو وہ مہذب کہلاتا ہے۔ ان مادی چیزوں پر ہی زمین کا اطلاق ہوتا ہے جو انسان کے حسنِ ذوق اور حسنِ عمل سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً مغلوں کے عہد کی عمارتوں، باغوں اور تصویروں کو مغلیہ تہذیب کے آثار کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی قوم کے اجتماعی ادارات اور اصول وقوانین بھی تہذیب کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تہذیب کا لفظ اس سے زیادہ مجرد اور وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی زندگی کا مکمل نصب العین جو کسی قوم کے سامنے ہو ان معیاروں کا ہم آہنگ تصور، جن پر وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی پرکھتا ہے۔

ڈاکٹر عابد حسین نے اپنی کتاب ''قومی تہذیب کا مسئلہ'' میں تہذیب کی یہ تعریف کی ہے:

> ''تہذیب نام ہے اقدار کے ہم آہنگ شعور کا جو ایک انسانی جماعت رکھتی ہے اور جسے وہ اپنے اجتماعی ادارات میں ایک معروضی شکل دیتی ہے، جسے افراد اپنے جذبات ورجحانات اپنے سبھاؤ اور برتاؤ میں اور ان اثرات میں ظاہر کرتے ہیں جو وہ مادی اشیاء پر ڈالتے ہیں۔''

اس تعریف کی تعبیر وتشریح میں انہوں نے تہذیب کو مذہب اور تمدن سے ممیّز کیا ہے۔ روحِ مذہب کو یعنی اس واردات کو جو ہم پر حیات وکائنات کی حقیقت اور اس کے مقصد کو منکشف کرتی ہیں اور اس اعتبار سے اقدار کو سند قبول بخشتی ہیں، اسے تہذیب کا حقیقی جوہر کہتے ہیں اور ساری تہذیب و واردات حقیقت متشخص ہوتی ہیں۔ وہ مذہب کو تمدن کا محض ایک جزو سمجھتے ہیں۔ خواہ یہ کتنا ہی اہم جزو کیوں نہ ہو تمدن اور تہذیب ہمیشہ ہم معنی سمجھے جاتے

انسانی زندگی میں کلچر کا تصور اقدار کے حصول پر مشتمل ہے سرسری طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو اس کے پانچ پہلو نظر آتے ہیں۔

(۱) ذہنی قدریں جو انسانی تخلیقی کوششوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جس کی بنیاد پر انسان کی پوری زندگی ڈھلتی ہے۔ یہ اقدار کبھی کبھی سماجی تجربات کی بناء پر وجود میں آتی ہیں اور کبھی کبھی ان کی بنیاد پر کوئی سماجی ڈھانچہ جنم لیتا ہے۔ فکر اور نظر کے زاویے انسانی کوششوں کو انہی قدروں کے ذریعہ بروئے کار لاتے ہیں۔ اس کے دامن میں یہ ساری تخلیقی کوششیں ہوتی ہیں جو علوم وادب کے ذریعہ ہمارے سامنے آتی ہیں۔

(۲) معاشی قدریں: ظاہر ہے کہ انسانی زندگی اپنے طبیعاتی نظام کے تحت کھانے پینے اور رہن سہن کے اصول مدون کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اسے کیا کھانا چاہئے۔ یعنی جغرافیائی حالات کے تحت کون سی شئے اس کے لئے مضرت رساں ہوگی، کون سی شے مناسب ہوگی۔ موسم کے اعتبار سے کون سا لباس اس کے لئے مناسب ہوگا۔ کھانے کے لئے کیا ہونا چاہیے وہ کون سے ظروف ہوں جو کھانے کے سلسلے میں استعمال کیے جائیں۔ کونسا لباس کس موسم میں مفید ہوگا اور کون سا لباس کس موسم میں مضر ہوگا۔ ان قدروں میں رہن سہن، آداب نشست و برخاست، وضع قطع اور لباس وغیرہ شامل ہیں۔

(۳) جمالیاتی قدریں: - زندگی کا وہ احساس اور جذبہ جو مارک ٹوئین کے الفاظ میں بہتر کو بہترین بنانے کی کوشش اور انسانی جذبات کے اظہار اور تسکین کو متشکل کرنے کا نام ہے، جمالیاتی قدروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ رقص، مصوری، موسیقی، نقاشی ان سب کا شمار جمالیاتی قدروں میں کیا جاتا ہے۔ ادب میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ ادب الفاظ کا رقص الفاظ کی موسیقی، الفاظ کی مصوری اور الفاظ کی نقاشی پر زور دیتا ہے۔ اس کے برعکس یہ خود ایک عمل ہے۔

دھرتی کے تعلق کے ساتھ ذہن کی آزاد پرواز، سب ہی کچھ تھا۔

تہذیب کے حقیقی مفہوم میں عوام وخواص سب ہی کی تہذیب و معاشرت، رہن سہن، شادی بیاہ کے مراسم، میلوں، تہواروں کے جشن، گیت، فن لطیفہ سبھی کچھ آجاتے ہیں۔

پروفیسر ہمایوں کبیر لکھتے ہیں:

''تہذیب زندگی کی اس تنظیم کا نام ہے جو ایک متمدن سماج کو ممکن بناتی ہے۔اس کے برعکس کلچر اس طرح کی تنظیموں کا نتیجہ ہے اور زبان، فنونِ لطیفہ، مذہب، سماجی عادات ورسوم، سیاسی اداروں اور اقتصادی تنظیموں کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے اور ان کے الگ الگ اجزاء کلچر نہیں ہیں بلکہ اجتماعی طور پر زندگی کے ان مظاہر کو ہم کلچر کہتے ہیں۔تہذیب سماج کی وہ تنظیم ہے جو کلچر کے لئے حالات پیدا کرتی ہے۔ اس لئے بغیر تہذیب کے کلچر نہیں ہو سکتا۔لیکن ایسی تہذیب کا وجود ممکن ہے جس کا اپنا کلچر نہ ہو۔''

میکائیور (Mackiver) کہتا ہے:

''تہذیب سے مراد وہ میکانکی سسٹم ہے جسے انسان نے اپنی زندگی کے حالات پر قابو پانے کی کوشش کے سلسلے میں وضع کیا ہے۔اور اس میں نہ صرف سماجی تنظیموں کا سسٹم شامل ہے بلکہ ٹکنک اور مادی آلات بھی شامل ہیں۔کلچر تہذیب کا اینٹی تھیس ہے۔ یہ ہماری اس فطرت کو جو ہمارے طرزِ زندگی، ہماری فکر، ہمارے روزانہ کے وہ معمولات جو آرٹ ،ادب، مذہب اور تفریحات میں ہوتے ہیں انہیں ظاہر کرتا ہے۔''

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ کے کسی دور میں بھی ایک ہندوستانی نے ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی اپنے لیے یگانگت محسوس کی ہوگی اور کسی بھی دوسرے ملک میں اپنے کو اجنبی محسوس کیا ہوگا۔"

پروفیسر ہمایوں کبیر کے خیال کے مطابق:

"ہندوستانی زندگی کے مختلف النوع مظاہر میں ایک اتحاد روحانی موجود ہے"۔

یکجہتی کا یہی تسلسل صحیح معنوں میں جنوبی ایشیاء کی پہلی دلیل ہے۔ یکجہتی کا شعور محض جغرافیائی نہیں بلکہ تاریخی صداقت بھی رکھتا ہے۔

جغرافیائی حدود

جنوبی ایشیاء براعظم ایشیاء کا ایک حصہ ہے، جو برصغیر کے چار واضح قدرتی ماحولیات پر مشتمل ہے۔ خطّہ ہمالیہ اس کے شمالی سرحد پر واقع ہے۔ جنوب کی طرف گھیرے ہوئے سمندر کی جانب ہمالیہ سے بتدریج ڈھلوان پر واقع ہے جو سطح مرتفع دکن کا سلسلہ درمیانی میدان سے شروع ہو کر بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال کے درمیان واقع جزیرے نما تک بسیط ہے۔ سری لنکا کا جنوبی حصّہ (سابقہ سیلون) جو اگرچہ ایک علیحدہ جزیرہ ہے، لیکن اسے خطہ کی توسیع سمجھا جاتا ہے۔ چوتھا خطہ جزیرہ نما اور سری لنکا کے ایک تنگ ساحلی میدان کا علاقہ ہے اور وہ سمندر سے متصل ہے۔

ہر تہذیب جغرافیائی، تاریخی اور نفسیاتی عناصر کی حامل ہوتی ہے۔ جنوبی ایشیاء کی تہذیب شروع سے اس خصوصیت کی حامل رہی ہے کہ اس میں بیرونی اثرات برابر شامل رہے ہیں۔ مگر اثر و تاثر کے ایک عمل کی وجہ سے مقامی اور بیرونی دونوں نقوش نے ایک ملے جلے رنگ

(۴) تکنیکی قدریں:- ان اقدار کے مظاہر وہ عوامل ہیں جن میں انسانی کوششیں خود اپنے ذہنی تصورات کی بنیاد پر مادی تخلیق کا عمل انجام دیتی ہیں، ان کی تعمیر میں بہر حال آلات سے کام لینا پڑتا ہے ان میں فنِ تعمیر، مجسمہ سازی اور نقاشی وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) سماجی قدریں:-فرد اور سماج کے باہمی رشتوں کی بنیاد پر ان قدروں کا تعین ہوتا ہے حفظِ مراتب، سماجی حقوق، فرائض کا احساس، خاندان کی ذمہ داریاں اور اجتماعی زندگی کے برتاؤ ان اقدار کے اجزاء ہیں۔

ان ساری قدروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک باضابطہ نظام حیات میں کچھ اصول اور تصورات ہوتے ہیں۔ جن کے مختلف مظاہر مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور ان مظاہر میں انسان کا رہن سہن معاشرت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فرد اور سماج کے رشتوں کو تمدن کا نام دیا جاتا ہے۔ تخلیقی کوششوں کے تصورات کلچر بن جاتے ہیں اور اس کے مظاہر تہذیب کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ چوں کہ ہر مظہر کی بنیاد تصور ہوتی ہے۔ اس لیے ایک اعتبار سے معاشرت تمدن اور تہذیب سبھی کلچر کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس مقام پر پہنچ کر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کلچر، تہذیب کا وسیلہ نہیں، بلکہ تخلیقی کاوشوں کا مجموعہ ہے جو ارتقائی طور پر ماضی کا ورثہ بھی ہے۔ حال کو سنوارتا بھی ہے اور مستقبل پر نظر بھی رکھتا ہے۔ اسٹالین کے الفاظ میں کلچر کا منتہا تسخیرِ فطرت ہے۔

ہندوستان میں جنوبی ہند کا باشندہ ہو یا شمالی ہند کا وہ اپنے کو ہمیشہ ہندوستانی ہی سمجھتا ہے یہاں تک کہ گذشتہ پانچ سو برس پہلے جب پورا ملک مختلف سیاسی وحدتوں میں منقسم تھا اور شہنشاہی نظام رائج تھا اس وقت بھی جنوبی ہند کی حکومت کا باشندہ یا دلّی سرکار کے زیرِ نگیں رہنے والے افراد اپنے کو ہندوستانی ہی سمجھتے تھے۔

ناقص اور سطحی تصور عام ہوا، جسے بد قسمتی سے خصوصاً ہندوستانیوں نے قبول کرلیا۔ سر سید جیسا عظیم انسان بھی مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے اتنا خیرہ ہوا کہ لندن کے خطوط میں انہوں نے انگلستان کی ایک معمولی خادمہ کو ہندوستان کی ایک بیگم سے زیادہ مہذب قرار دیا۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مغربی تہذیب کے عناصر نہایت ترقی یافتہ ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم مشرقی یا ہندوستانی تہذیب کو اسفل اور مغربی تہذیب کو اعلیٰ درجے کا قرار دیں۔

یہ برصغیر جسے جنوبی ایشیاء بھی کہتے ہیں دراصل تین تہذیبی دھاروں کا گہوارہ ہے۔ پہلی جنوبی ایشیاء کی تہذیب ہے جسے سہولت کے لیے دراوڑی تہذیب کا حامل کہہ سکتے ہیں۔ دوسری جنوب مشرقی ایشیاء کی تہذیب ہے جس کا سلسلہ بنگال سے ملایا اور انڈونیشیا تک پھیلا ہوا ہے اور تیسری وسط ایشیائی اور مغربی تہذیب ہے۔ جنوبی ایشیاء کی تاریخ اور تہذیب ان تینوں عناصر کا مرکب ہے اور ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

جنوبی ایشیاء کے ممالک میں بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، ہندوستان، پاکستان اور سری لنکا شامل ہیں۔ جغرافیائی خصوصیات کی بناء پر غیر منقسم ہندوستان دنیا کا واحد ملک رہا ہے جو رقبہ کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ شمال میں ہمالہ کے اونچے اونچے پہاڑ، مشرق میں خلیج بنگال، جنوب میں بحرِ ہند اور مغرب میں بحیرۂ عرب۔ گویا باقی دنیا سے الگ تھلگ ہندوستان ایک ایسا زراعتی ملک ہے جہاں گرم، سرد، مرطوب اور خشک غرض ہر طرح کی آب و ہوا موجود ہے۔ قطب شمالی کی آب و ہوا کو چھوڑ کر دنیا کی کوئی آب و ہوا ایسی نہیں ہے جو ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقہ میں موجود نہ ہو۔ زمین زرخیز، ہمالہ کے کوہستانی علاقے، صحرائے ہند کی ریتیلی زمین، شمالی زرخیز میدان، طویل و عریض میدانِ مرتفع، ساحلی علاقے،

کی صورت اختیار کی ہے جو تمام اثرات کو ایک منفرد اور مخصوص رنگ سے ظاہر کرتا ہے، اس لیے اسے مشترک تہذیب کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ہندوستان کی جغرافیائی وحدت ہمالہ پہاڑ، خلیج بنگال اور بحیرۂ عرب کی دین ہے۔ لیکن اس جغرافیائی وحدت کے ساتھ تاریخ نے اسے ایک رنگا رنگی ایک بوقلمونی اور ایک گنگا جمنی کیفیت عطا کی ہے۔ سیاسی تبدیلیاں برابر ہوتی رہیں مگر ہندوستان کا دیہی نظام اپنے ڈھرے پر چلتا رہا۔ اشوک کے زمانہ میں، گپت دور اور اکبر کے عہد میں ملک کا بڑا حصہ ایک سیاسی قوت کے زیر نگیں رہا، اس کے باوجود مختلف علاقوں میں تہذیبی جزیرے بھی رہے۔ انگریزوں کے تسلط سے پھر ملک کو ایک سیاسی وحدت ملی اور آزادی کے بعد اس کا احساس بھی بڑھا۔ مگر جنوبی ایشیاء کی تہذیب میں کثرت کی ہمہ جہتی اور اس کثرت میں ایک وحدت دونوں پر اصرار ضروری ہے۔ کیوں کہ یہی اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت ہے۔

یوں تو نسل کی طرح کوئی تہذیب بھی بالکل خالص نہیں ہوتی۔ تاریخ کے موڑ اور اس کے اتار چڑھاؤ کی کروٹیں، نئے میلانات اور رجحانات ان سب کے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔ پھر بھی جغرافیائی بساط، یعنی پہاڑوں، دریاؤں، میدانوں، دشت وصحرا، پہاڑوں کے درّوں ان سب کے ذریعہ سے تہذیبی قدروں کی حد بندی ہوتی رہتی ہے۔ یہی جغرافیہ آب وہوا، موسموں، جنگلوں، ملبوسات، اطوار، میلوں اور تہواروں سب پر اثر ڈالتا ہے۔ مذاہب، عقائد، عبادات ورسوم، سب تہذیب پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے جنوبی ایشیاء کی تہذیب کے ہر تصور میں پورے جنوبی ایشیاء کی تاریخ اور اس کی ہر کروٹ اور اس کروٹ کے نتائج کو ذہن میں رکھنا ضروری۔ ہوا یہ کہ نوآبادیاتی دور یعنی انگریزوں کے دورِ اقتدار میں انگریز مورخوں اور افسروں، اسکالروں اور مشنریوں کے ذریعہ جنوبی ایشیاء کی تہذیب کا ایک رخا،

ڈاکٹر عابد حسین نے قومیت کے لئے جغرافیائی وحدت اور تہذیبی وحدت کو لازمی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> ''جس خصوصیت کی بنا پر قومیں واقعی بنتی ہیں اسے مدنظر رکھا جائے تو صرف جغرافیائی وحدت، عام وحدت اور عام تہذیبی وحدت کو قومیت کی لازمی شرائط کہہ سکتے ہیں۔ باقی مذہب، نسل، زبان اور تاریخ کا اشتراک اگرچہ سیاسی اتحاد کے لئے نہایت اہم شرائط ہیں، لیکن لازمی شرائط نہیں۔ پھر تہذیب کے معاملہ میں کامل وحدت تو محض ایک نصب العین ہے، جسے مختلف قوموں نے مختلف حد تک حاصل کیا ہے''۔

ہندوستان کے قدیم ترین باشندے نگرائڈ تھے۔ یہ افریقہ کے کچھ قبائل تھے جو ترکِ وطن کر کے زرخیز زمینوں کی تلاش میں ہندوستان آئے تھے۔ ان افریقی قبائل کے کچھ نشانات اب بھی انڈمان کے جزیرے میں موجود ہیں۔ ان کے بعد فلسطین سے وہ قبائل آئے جنہیں پروٹو اسٹرالائڈ کہا جاتا ہے۔ ان قبائل کے علاوہ سیلون، برما اور ملایا کے راستے بحیرۂ روم کے وہ قبیلے ہندوستان آئے جنہیں آسٹرک کہا جاتا ہے۔ اب تک ہندوستان میں جتنے قبیلے آئے ان کے بارے میں ہماری معلومات محدود و مسدود ہیں۔ ہمارے لئے یہ بتانا بھی بہت مشکل ہے کہ یہ ہندوستان کب آئے اور ہندوستان کے کن کن علاقوں میں آباد ہوئے، ان کی تہذیب کیا تھی، انہوں نے ہندوستان میں کس تمدن کو جنم دیا۔ ان محدود ترین معلومات کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی حصہ میں ان قبیلوں کے تہذیبی اور تمدنی آثار عیاں نہیں ہیں۔ یا تو یہ قبیلے تہذیب کے بہت ہی اولین مراحل میں تھے یا ان کے تہذیبی آثار دستبردِ زمانہ کی بھینٹ چڑھ گئے۔

جزیرے ہر طرح کی پیداوار اور خام مواد موجود۔اسی لیے برسہا برس سے مختلف اقوام کے قافلے زرخیز زمین کی تلاش میں اس سرزمین پر اترتے رہے اور بیرونی حملہ آور ہوسِ زر میں اس زمین کو روندتے رہے۔

جنوبی ایشیاء ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان اور سری لنکا کا تہذیبی اور تاریخی سرمایہ مختلف ہے۔لیکن یہ لوگ علیحٰدہ علیحٰدہ اور مستقل قوموں کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ان تمام ملکوں میں لسانی، مذہبی، نسلی اشتراک و مماثلت موجود ہے اور پھر بھی الگ الگ قومیں ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جغرافیائی حدود ایک ایسی لازمی بنیاد ہے جس کے بغیر کوئی قوم وجود میں نہیں آسکتی اور قومی شعور بھی تشکیل نہیں پاسکتا۔جغرافیائی حدود میں رہ کر فرد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے ایک مخصوص گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اس گروہ کے مختلف تہذیبی ،لسانی اور مذہبی دھاروں سے متاثر ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک ایسی تہذیب جنم لیتی ہے جس پر اس گروہ کے تمام ذیلی گروہوں کا اثر ہوتا ہے۔کیوں کہ جغرافیائی حدود میں رہنے والے لوگوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت، ہمدردی اور رفاقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس لیے ان میں یگانگت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔جنوبی ہند کی ایک بڑی آبادی نقل وطن کر کے سری لنکا میں سکونت پذیر ہوگئی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ مذہب، رسم و رواج ،عقائد ،زبان و ادب بھی لے گئے تھے۔سری لنکا کے تہذیبی ارتقاء میں ان ہندوستانی باشندوں کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی مقامی آبادی ان لوگوں کو اپنا سمجھنے میں تامل کر رہی ہے اس جذبہ کے تحت مخصوص جغرافیائی حدود میں رہنے والی ایسی اقوام جو مختلف زبانیں بولتی ہیں مختلف نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور مختلف مذہبی عقائد رکھتی ہیں خطرے کے وقت اور بھی زیادہ متحد ہو جاتی ہیں۔

تہذیب میں بہ کثرت دیکھے جاسکتے ہیں، جو آریوں کے شمالی ہند میں پھیل جانے کے بعد وجود میں آئی۔یعنی فاتح قبائل کے اثرات کے ساتھ ساتھ مفتوح قبائل کے اثرات بھی اپنا کام کرتے رہے۔ساتویں صدی میں ابتداءً عرب تاجروں کے ذریعہ سے اسلامی اثرات مالابار تک پہنچے۔انہوں نے مالابار کی زندگی پر غیر فانی نقوش بھی چھوڑے۔مگر یہ اثرات پہلے سندھ اور پھر پنجاب پر زیادہ ہوئے۔پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ مغربی ایشاء کے تہذیبی اثرات محمود غزنوی اور پھر غوریوں کے حملے کے بعد زیادہ گہرے اور دیرپا ہوئے۔

تہذیب وتمدن کی بنیاد دراوڑیوں ہی نے رکھی۔اپنے عہد میں دراوڑی تہذیب دنیا کی سب سے زیادہ ترقی پسند تہذیبوں میں شمار ہوتی تھی۔اس کا سب سے بڑا ثبوت ہڑپا اور اور موہنجو دارو ہیں۔جس تہذیبی ہندوستان نے ہڑپا موہنجودارو کو تخلیق کیا وہ ہندوستان سے عراق،عرب ساحل اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ڈاکٹر عابد حسین لکھتے ہیں:

> ''اس تہذیب نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ دریائے سندھ کی وادی میں کئی شہری ریاستیں بنالی تھیں۔''

وادئ سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں، جو صوبۂ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے پاکستانی صوبوں پر مشتمل ہے، اس تہذیب کے نمونے موجود ہیں۔ماضی قریب میں جو کھدائیاں ہوئی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تہذیب مشرقی پنجاب، مغربی یوپی اور راجپوتانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔صدیوں بعد اس تہذیب کا زوال ہوا۔بیابانی قبائل نے شمال اور شمال مغربی ہندوستان سے دراوڑیوں کو نکال دیا اور وادئ سندھ پر قابض ہوگئے۔

کچھ عرصہ بعد آریہ ہندوستان آئے۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ آریوں کا اصلی وطن وسطی ایشیاء کا ایک خشک بے آب وگیاہ پہاڑی علاقہ تھا۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ

ان قبیلوں کے بعد جو لوگ ہندوستان میں زرخیز زمینوں کی تلاش میں یا حملہ آور کی حیثیت سے آئے، ان میں دراوڑی، آریہ، مسلمان اور انگریز اس نقطۂ نظر سے اہم ہیں کہ اِن میں سے دراوڑیوں نے ہندوستان میں ایک زبردست تہذیب وتمدن کی بنیاد ڈالی اور باقی اقوام اپنے ساتھ ترقی یافتہ تہذیب لے کر ہندوستان آئیں اور ہندوستانی تہذیب کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ آریہ اور مسلمان یہاں کی تہذیب میں ضم ضرور ہوئے لیکن ان دونوں ہی نے یہاں کی تہذیب کو اتنا متاثر کیا ہے کہ اسے صحیح معنوں میں مشترکہ تہذیب کہا جاسکتا ہے۔

دراوڑی نسل کے قبیلے بحیرۂ روم اور ایشیاء کو چک کے مکین تھے۔ تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح انہوں نے ہندوستان کو اپنا مستقر بنایا۔ یہ لوگ پنجاب اور سندھ کے علاقوں ہڑپا اور موہنجوداڑو میں آباد ہوئے۔ دراوڑیوں کے بارے میں احتشام حسین لکھتے ہیں:

> ''جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ بحیرۂ روم کے قرب و جوار کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے آبائی وطن سے نکل کر یہ لوگ کافی عرصہ تک عراق میں رہے اور پھر بلوچستان ہوتے ہوئے ہندوستان پہونچے۔ سندھ اور گنگا کی وادیاں بہت زرخیز تھیں، اس لئے یہ ان وادیوں میں آباد ہوگئے۔ دراوڑی مختلف گروہوں میں اور مختلف عہدوں میں ہندوستان آئے ان کے وہ چار گروہ جو کنّڑی، تلنگی، تمل اور ملیالم زبانیں بولتے تھے، ہندوستانی اور تمدنی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ دراوڑی تہذیب ملک پر چھا گئی اور اسے آریاؤں کی آمد نے وندھیاچل سے جنوب میں ڈھکیل دیا''۔

سنتی کمار چٹرجی نے کہا ہے کہ دراوڑی تہذیب کے اثرات آریوں کے غلبہ کے باوجود اس

ہندوستان پر جن مسلم بادشاہوں نے حکومت کی ان میں دو چار کو چھوڑ کر کسی نے بھی حکومت کی بنیاد اسلامی قوانین پر نہیں رکھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ مسلم مجاہد نہیں بلکہ ایسے فرماں روا تھے جو اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر ملک کے قوانین بناتے تھے۔

جب آریا ہندوستان آئے تھے تو یہاں کے جنگلی قبیلوں اور دراوڑیوں نے شدت سے ان کی مزاحمت کی تھی اور کافی عرصہ تک ان میں جنگ و جدل ہوتی رہی تھی۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ مفاہمت پیدا ہونا شروع ہوئی۔ نفرتیں دور ہوئیں اور آپس میں گھل مل گئے۔ بالکل اسی طرح جب مسلمان ہندوستان آئے تو ہندوستانیوں نے مسلمانوں کو فاتح تو تسلیم کر لیا لیکن اپنے نسلی و مذہبی تعصّبات کو دور نہ کر سکے۔ پہلے ہنوں اور گوجروں کو ملیچھ کہا جاتا تھا اب وہی لفظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

> ”مسلمان جب ہندوستان آئے تو ایک بلند تمدن اور ایک ترقی یافتہ تہذیب اپنے ساتھ لائے۔ اس نے ہندوستانی تہذیب سے مل کر ایسی دلکش اور دلفریب تہذیب پیدا کی جس کے جلووں سے صدیوں تک ہندوستان جگمگاتا رہا اور جس کی روشنی سے آج بھی زندگی کا کوئی شعبہ خالی نہیں ہے۔“

جنوبی ایشیاء کی عظمت یہاں کی فوجی طاقت میں نہیں بلکہ یہاں کی فکر، فلسفہ، ہزاروں سال کی پروردہ تہذیب، ادب، رقص، موسیقی، نقاشی اور سنگتراشی جیسے فنونِ لطیفہ میں تھی اور اس کا اندازہ مسلم حکمرانوں میں صرف اکبر کو یا شاہی خاندان کے افراد میں دارا شکوہ کو ہوا تھا۔ اکبر کی شعوری کوششوں سے ہند ایرانی تہذیب کو برتری حاصل ہوئی۔ دارا شکوہ کو موقع ہی نہیں

آج ہندوستان کی جو ملی جلی تہذیب ہے اس کی بنیاد دراوڑیوں ہی نے فراہم کی تھی۔ آریہ لوگ پہلے سندھ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے پنجاب میں پھیلے اور پھر مشرقی ہندوستان میں آباد ہونا شروع ہوئے۔

آریائی اور دراوڑی تہذیب نے جس مشترکہ تہذیب کو جنم دیا اس کا اظہار آریوں کے چار ویدوں میں ہوتا ہے۔ ان چار ویدوں میں سب سے اہم ''رگ وید'' ہے۔ ان ویدوں کے ذریعہ ہندوستان کے بہت بڑے حصہ میں پھیلا ہوا ہندو مذہب اتنا منظم اور اتنا منطقی تھا کہ خود دراوڑی قوموں نے بھی اسے قبول کرنے میں تامل نہیں کیا۔

آریوں کے بعد ایک اور نسل ہندوستان آئی اور وہ تھی یونانی۔ یونانی لوگ سکندر کے حملے کے ساتھ حملہ آور کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔ ان میں سے اکثریت نے یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ شمال مغربی ہند میں یونانی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمراں ہو گئے۔ لیکن یہ لوگ اتنے کم عرصہ ہندوستان میں رہے کہ ان کی تہذیب کا ہندوستانی تہذیب پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ ہندوستان کی طاقتور اور ترقی یافتہ تہذیب نے ان پر ایسا جادو کیا کہ بدھ مذہب اختیار کر کے انہوں نے ہندوستانی تہذیب کو اپنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ سنسکرت کے کلاسیکی ادب اور خاص طور سے ڈرامے پر یونان کا گہرا اثر ہوا۔

یونانیوں کے کافی عرصہ بعد مسلمان ہندوستان آئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے ظہور سے قبل ہی عربوں کے ہندوستان سے تجارتی تعلقات تھے۔ عرب سندھ کے علاقوں میں آتے تھے۔ یہیں اپنا سامان فروخت کرتے اور ہندوستانی اشیاء خرید کر مختلف ممالک میں لے جاتے تھے۔ ہندوستان کے وسیع علاقہ میں آریائی تہذیب پھیلی ہوئی تھی۔ اس تہذیب کا اس تہذیب سے سابقہ پڑا جو مسلم تہذیب نہیں بلکہ افغانی تہذیب، مغل تہذیب اور ایرانی تہذیب تھی۔

نام تو وہی ہیں مگر طریقے بدل گئے ہیں۔ بعض میں برائے نام فرق کر دیا
ہے۔ بعض کو نسبی امور میں بہ تغیر نام شامل کر لیا مثلاً رسم تیجہ ہندوؤں
میں فاتحہ سوم مسلمانوں میں''۔

دنیا کو اسلام کی سب سے بڑی دین اخوت، بھائی چارگی اور انسانی مساوات کا پیغام ہے۔ جب صوفیائے کرام ہندوستان آئے اور انہوں نے یہاں کے باشندوں کو انسانی اخوت اور انسانی مساوات کا پیغام دیا تو ذات پات اور اونچ نیچ کے بندھنوں میں جکڑے سماج کو اس پیغام نے اس حد تک متاثر کیا کہ کافی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد خود مسلمان ذات پات کے شکار ہوئے۔ اونچی ذات کے جو ہندو مسلمان ہوئے تو انہوں نے اسلام کے سارے اصولوں کو تو تسلیم کیا لیکن اپنی ذات برادری سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوئے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں وحدت الوجود کے فلسفہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اس فلسفہ کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ :

''ظاہر و باطن میں خدا کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ یہ دکھائی دینے والا
عالم جو خدا سے غیر محسوس ہوتا ہے اور جسے ماسوا کہتے ہیں، ماسوا
نہیں ہے نہ خدا کے علاوہ اور غیر ہے بلکہ خدا کا مظہر ہے خدا اپنی لا انتہا
شانوں کے ساتھ اس عالم میں جلوہ گر ہے یہ غیریت اور کثرت جو
محسوس ہوتی ہے ہمارا واہمہ اور صرف ہماری عقل کا فتور ہے یعنی ہم نے
اسے غیر سمجھ لیا ہے درحقیقت ایسا نہیں ہے۔''

جب مسلمان صوفیوں نے وحدت الوجود کے فلسفہ کی تبلیغ کی تو ہندوؤں کو یہ فلسفہ ویدانت

مل سکا کہ وہ ہند ایرانی تہذیب کے ارتقاء میں حصہ لے سکتا۔

اگر آج جنوبی ایشیاء کی کوئی ایسی تہذیب ہے جسے ہم ہند ایرانی کلچر یا ہندو مسلم کلچر یا مشترکہ کلچر کہہ سکتے ہیں، تو وہ عالموں، شاعروں، ادیبوں اور ان سب سے بڑھ کر مسلمان اور ہندو صوفیائے کرام کی مرہونِ منت ہے۔

اس کلچر کے فروغ میں عوام کا بھی براہِ راست حصہ ہے۔ جو مسلمان دوسرے ملکوں سے آئے تھے، انہوں نے یہاں کے رسم و رواج، رہن سہن، طور طریق، لباس و زبان، غرض یہ کہ ہر چیز کو متاثر کیا اور خود بھی متاثر ہوئے۔ اس کلچر کی تشکیل میں سب سے بڑا حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے ہندوستان میں اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہو گئے لیکن انہوں نے اپنی بیشتر ہندو روایات اور رسم و رواج کو قائم رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے جو رسم و رواج ہیں وہ ننانوے فیصد ہندوستانی ہیں۔ شادی، غمی، بچہ کی پیدائش، اس کی تربیت، موت، غرض ان تمام موقعوں پر جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ سب ہندوستانی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہندو جن موقعوں پر منتر پڑھتے ہیں مسلمان ان موقعوں پر قرآن شریف۔

سید احمد دہلوی نے ''رسومِ دہلی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

> ''پہلے اس سے کہ میں ان رسموں کو شروع کروں اس قدر عرض کر دینا مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے سبب ان کے مردوں میں جس قدر رسمیں مروج ہیں وہ تقریباً سب کی سب ہندوستانی رسمیں ہیں، جن میں سے بہت سی رسمیں تو جوں کی توں ہیں۔ بعض کے

میں نظامی کی کدم راؤ پدم راؤ، ابنِ نشاطی کی پھولبن، تحسین کی کام روپ اور غواصی کی کنور منوہر اور مدھو مالتی وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

ہزاروں سال کی تاریخ میں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ہندوستان کسی سیاسی وحدت کے رشتے میں مربوط رہا ہو۔ ورنہ پورا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ سب سے پہلے چندر گپت موریہ نے یونانی حکمراں سیلوکس کو شکست دے کر ہندوستان کو یونانی حملے کے خطرے سے آزاد کیا اور تمام شمالی ہند میں ایک ایسی حکومت قائم کی جس سے سیاسی وحدت پیدا ہوئی۔ پھر اشوکِ اعظم نے اپنی سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ انتہائی جنوبی ہند کے علاوہ تمام ہندوستان پر اس کی حکومت قائم ہوگئی۔ مغلوں کے عہد میں اکبر نے اپنی سلطنت کی حدود کو غیر معمولی وسعت دی۔ اس سیاسی وحدت نے ہندوستانی عوام میں یہ جذبہ ضرور پیدا کیا کہ ان کا ایک دوسرے سے قومی جذبہ اور تہذیبی ہم آہنگی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف چندر گپت موریہ، اشوک اور اکبر کے زمانے میں عوام میں متحدہ قومیت اور تہذیب کا احساس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان اس زمانے کو چھوڑ کر ہمیشہ چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم رہا ہے۔ لیکن پھر بھی تہذیب اور تمدن کے فروغ اور ارتقاء کے راستے میں تقسیم کبھی رکاوٹ نہیں بنی۔ ہندوستان کا ادب، رقص، موسیقی، نقاشی، فلسفہ، علوم، عقائد، رسم و رواج، سماجی آداب و اطوار، طرزِ احساس و طرزِ فکر اور حد تو یہ ہے کہ زبان اور مذہب ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہم آہنگ رہے۔

جنوبی ایشاء ایک وسیع و عریض علاقہ ہے۔ اس لئے یہاں تہذیب کی کثرت اور رنگارنگی ہے۔ مختلف علاقوں میں مختلف انداز کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ جداگانہ دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے۔ کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مختلف تہذیبی اقدار ہیں۔ لیکن اس رنگارنگی اور کثرت کے

سے ہم آہنگ نظر آیا اور نفرت کی جو دیواریں دونوں مذاہب کے درمیان کھڑی تھیں، آہستہ آہستہ گرنے لگیں۔ ان دونوں مذاہب کو ایک دوسرے سے بہت قریب لانے میں بھگتی تحریک کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔

بھگتی تحریک کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند میں ہوا۔ اس سلسلہ کے پہلے بزرگ رامانج تھے، جنہوں نے تحریک کے لئے فلسفیانہ اساس فراہم کی۔ کچھ ہی عرصہ میں یہ تحریک جنوبی ہند سے نکل کر شمالی ہند میں پھیلنی شروع ہوئی۔ اس عہد میں راجپوت ریاستوں میں وشنومت فروغ پا رہا تھا۔ اس تحریک نے وشنومت کو تقویت پہنچائی۔ دو تین صدیوں بعد اس سلسلہ میں بھگت رامانند پیدا ہوئے، جن کی بدولت اس تحریک کو غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔ رامانند سے پہلے بھگتی کی بنیاد وشنومت پر تھی۔ رامانند نے رام چندر جی کو موضوع بنایا۔ اس تحریک میں اتنی وسعت اور فارغ البالی تھی کہ مسلمان متاثر ہونے لگے۔

سولہویں صدی کے آغاز میں کبیر نے اس تحریک کو ایسا رخ دیا کہ مسلمانوں کی رہی سہی مغائرت و منافرت بھی ختم ہونے لگی۔ انہوں نے ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا جو مسلمانوں کے خدا کے تصور سے ہم آہنگ تھا۔ کبیر نے اپنے دوہوں اور گیتوں کے ذریعہ اس فلسفہ اور عقیدے کی تبلیغ کی جسے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ کبیر کے علاوہ تلسی داس، سورداس وغیرہ نے بھی مذہبی اور تہذیبی یکجہتی کے لئے شعوری کوششیں کیں۔

مسلمانوں میں یہ کام محمد جائسی، شیخ منجھن اور قطبن وغیرہ نے کیا۔ ان حضرات نے ہندو کرداروں اور ہندوستانی موضوعات کے سہارے ہندو مسلم عوام کو تصوف کے مسائل سمجھانے کی کوشش کی۔ دکنی شاعروں نے ہندوستانی قصوں پر مبنی مثنویاں لکھیں۔ اس سلسلہ

جداگانہ کیوں نہ ہوں، لیکن ان کی منزل ایک ہے۔ مسلمان سماجی طور پر چاہے اپنے رسم و رواج کتنے ہی اسلامی کیوں نہ لائے ہوں اور ہندوؤں کی اپنی ریتیں رسمیں خواہ کتنی ہی ہندوانہ کیوں نہ رہی ہوں لیکن برسوں کے ارتباطِ باہمی سے نہ مسلمانوں کے وہ رواج رہے نہ ہندوؤں کی وہ رسمیں۔ دونوں طبقوں کے ثقافتی امتزاج سے جو ایک تیسری چیز وجود میں آئی وہی ''مشترکہ جنوبی ایشیائی تہذیب'' کہلائی، جس میں ہندوستانیت نمایاں ہوکر اپنا روپ دکھاتی ہے اور یہ تہذیب جنوبی ایشیاء میں اپنا مادی عمل رکھتی ہے۔ دراصل جنوبی ایشیاء کی اسی تہذیب نے انسان اور انسانیت کی عظمت کے گن گائے ہیں۔ یہی تہذیب باہمی اتحاد، وطن پرستی، انسان دوستی اور قومی یکجہتی کا روشن نشان بن کر ابھرتی ہے۔ دین وتصوف اور سماجی زندگی کے علاوہ علم وادب کی راہ سے یہ ہمیں کہیں گیت، دوہے، بارہ ماسے، غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، نعت، منقبت، سلام اور صوفیانہ اور روحانی کلام میں ملتی ہے۔ کہیں امیر خسرو، نانک، کبیر، تلسی، میرابائی، قلی قطب شاہ، ولی، میر، غالب، اقبال، انیس، نظیر اکبرآبادی، علی شیر نوائی، ابن سینا اور فردوسی وغیرہ میں نظر آتی ہے۔ نیز ہمارے افسانوی ادب میں بھی اس کے نقوش اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ یا فنون لطیفہ کا کوئی حصہ رقص، موسیقی، نقاشی، مصوری، فن تعمیر، شاعری، فکروفن اور علم وادب کا کوئی نمونہ ایسا نہیں جس پر اس مشترکہ جنوبی ایشیاء کی چھاپ نہ ہو۔

ہندوستان (برصغیر) کی مشترکہ تہذیب کے ارتقاء میں لودی، سور اور مغل حکمرانوں کو خاص طور سے اہمیت حاصل ہے۔ بالخصوص مغلوں نے نہ صرف راجپوت گھرانوں میں شادیاں کیں بلکہ تمام راجپوت رانیوں کو ان کے مذہبی رسم ورواج پر قائم رہنے اور ان کو آزادی کے ساتھ پورا کرنے کی اجازت دی۔ یہی نہیں خود مغلوں نے راجپوت رسم و رواج کا بھی

باوجود سب کچھ ایسی اقدار مشترک ہیں کہ سب الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ دونوں (ہندو مسلم) قوموں کی صدیوں کی زندگی کے طور وطریق ،فکر ونظر، دین و مذہب، مزاج و مذاق، آداب و اخلاق، رہن سہن، رسم ورواج اور علمی ادبی وسماجی ذوق وشوق کے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے سمجھنے سمجھانے اور شیر وشکر ہو جانے سے جن ملی جلی قدروں نے جنم لیا وہ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی علمبردار ہیں۔ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا یہ نخل مغلوں کے دور میں کس طرح ایک شجر بارآور بنا، اس کا ذکر پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو، جو ہمارے جذبات کا لب لباب ہے۔

> ''مغلوں کے زمانے میں جو نخل بندی اور پیوند کاری کے تجربات سے گزر چکے تھے یہ تہذیبی نقش اور زیادہ حسین ہو گیا۔ انہوں نے لطافت، شائستگی، مساوات اور اخلاقی ضبط کی قلم لگا کر ہندوستان کی رنگا رنگی تہذیب کی آبیاری کی کہ وہ ایک تناور درخت بن گئی اور اس کی جگہ جمالیاتی شعور اور تصوف کی انسان دوستی تک پہنچ گئی۔ اس زمانے کی عمارتیں، تصویریں، تصوف کی تحریکیں اور شعر وشاعری کے کارنامے سب امتزاج اور اتحاد پسندی کے آئینہ دار ہیں۔''

جنوبی ایشاء کی ایک خاصیت ہے کہ اس کی کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کی رنگا رنگی میں یک رنگی ملتی ہے۔ اس کے گوناں گوں آفتاب و ماہتاب میں ایک ہی روشنی کا ظہور دکھائی دیتا ہے۔ اس کے صوفیوں، سنتوں اور سادھوؤں کے ناموں اور گیت چاہے کتنے ہی ایک دوسرے سے مختلف کیوں نہ ہوں لیکن ان کی لے ایک ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے پرستار ہندوؤں اور مسلمانوں کی چاہے راہیں کتنی ہی

جا سکتا ہے۔ ہماری تہذیب کی جڑیں تو روحانی قدروں میں پیوست ہیں لیکن ہماری حکومت غیر مذہبی ہے۔ لیکن اس سے مراد لا مذہبیت یا دہریت یا مادی راحت کو اہم سمجھنا نہیں بلکہ اس بات کا اعلان کرنا اور اس پر زور دینا ہے کہ روحانی قدریں عالمگیر ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔

قدیم جنوبی ایشیائی تہذیب میں مذہب کو زندگی کے نظام میں مرکزی حیثیت دی گئی اور اس کا نتیجہ وہ روحانیت ہے جو عام طور پر قدیم جنوبی ایشیائی تہذیب کی نمایاں خصوصیت مانی جاتی ہے۔ اس ڈیڑھ ہزار سال کی مدت میں جس سے ہمیں بحث ہے، جنوبی ایشیاء میں دین اور دنیا، روح اور نفس کے درمیان تضاد کا احساس بہت کم پیدا ہوا۔ ان کے درمیان کسی قسم کی حد بندی نہیں کی گئی۔ ہر شخص اپنے ہر کام کو دھرم کا کام سمجھتا رہا اور ہر جذبے اور میلان کو جس میں کافی زور اور تخلیقی قوت تھی، مذہب کی سرپرستی اور وہ ساری تقویت حاصل ہو گئی جو عقیدہ اور یقین سے حاصل ہو سکتی تھی۔

جنوبی ایشیاء کی تہذیبی تاریخ پر غور کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ جب کوئی نیا نظامِ فکر خود ہندوستان میں پیدا ہوا یا باہر سے یہاں آیا تو وقتی طور پر اس نے فرقہ بندی پیدا کر کے باہمی اختلافات کو بڑھا دیا لیکن اسی کے ساتھ ہندوستانی ذہن نے اپنا کثرت میں وحدت پیدا کرنے کا عمل شروع کر دیا اور ایک مدت کے بعد مختلف عناصر نے تہذیب میں ایک حد تک امتزاج پیدا کر کے ایک مشترکہ تہذیب کی بنیاد قائم کر دی۔ اور یہی مشترکہ کلچر ہندوستان کا وہ حسن ہے جس کے بارے میں میکس ملر نے لکھا ہے:

> ''ہندوستان کے جدید ترین اور قدیم ترین ہندو فکر کے درمیان ایک اٹوٹ تسلسل ہے جو گزشتہ تین ہزار سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر مجھ سے

اثر قبول کیا۔ مثلاً ہندوستان فتح کرنے سے پہلے مغل حکمرانوں میں اپنی بیٹیوں کی شادیاں دوسرے مغل امراء کے گھرانوں میں کردینے کی رسم موجود تھی۔ ہندوستان کی فتح کے بعد اور راجپوت گھرانوں سے ازدواجی رشتے استوار کرنے کے بعد راجپوت راجاؤں کی تقلید میں مغلوں نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں صرف شاہی خاندان تک ہی محدود رکھیں اور امراء کے ساتھ شادیوں کے سلسلے کو مسدود کردیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں نے راجپوتوں یا دیگر امراء کی لڑکیوں کو اپنے نکاح میں قبول تو کیا لیکن ان کی لڑکیاں صرف مغل شہزادوں سے منسوب ہوتی رہیں۔ یہ رسم راجپوتوں کے لئے مخصوص تھی جسے مغلوں نے اپنایا۔

عہدِ مغلیہ کی بڑی دین ہندی تہذیب کی سرپرستی تھی۔ مغلوں نے بہت سے ہندو رسم و رواج کو اپنا لیا تھا اور یہ آئین حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ ہولی، دیوالی، دسہرہ، ٹیکہ کی رسم وغیرہ مثال میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک یہ مشترکہ تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کو بہت قریب لا چکی تھی۔ اس عہد میں ان کے لباس، طرزِ زندگی، وضع قطع، رہن سہن، دلچسپیوں اور ادبی سرگرمیوں پر نظر ڈالیں تو ہندو مسلمان دونوں یکساں طور پر بغیر کسی مذہبی تفریق کے اس مشترکہ تہذیب کے نمائندے نظر آتے ہیں۔ عوام کی زندگی بدستور سادہ تھی۔ خلوص و محبت، مذہب سے پیار، انسانیت دوستی، رواداری اور ایثار و قربانی ان کا شیوہ تھا۔

ہندوستان کی کئی ہزار سال کی تہذیبی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس میں گوناں گوں کثرت کے اندر وحدت کا جو باریک رشتہ موجود ہے وہ اربابِ قوت کے جبر و تشدد سے نہیں بلکہ عارفوں کے وجدان سے، فلسفیوں کی فکر سے، زاہدوں کی ریاضت سے اور فن کاروں کے تخیل سے پیدا ہوا ہے اور یہی وسائل ہیں جن کے ذریعہ سے اسے زیادہ سے زیادہ وسیع، مضبوط اور پائیدار بنایا

اور جغرافیہ کی متحدقو میں ان کو ملا کر ایک عظیم الشان دریا بنانے کی کوشش میں مصروف ہوگئیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے دینی عناصر سے قطع نظر کر کے دنیاوی عناصر پر نظر ڈالی جائے تو یہ دکھائی دے گا کہ جو اشتراک عہدِ مغلیہ کی ہندوستانی تہذیب نے ان میں پیدا کیا تھا وہ ناسازگار حالات کے باوجود بہت کچھ اب تک باقی ہے اور اس کے علاوہ وحدت کے اثرات نے مغرب سے آئے ہوئے اشتراک کی نئی صورتیں نکالیں۔

جنوبی ایشیاء کے مختلف مذہبی اور لسانی فرقوں میں جن میں مسلمان بھی شامل ہیں بالفعل تہذیبی اشتراک بہت کچھ موجود ہے اور بالقوہ ایک نئی تہذیب کے ملنے کا بہت امکان ہے۔لیکن اس قومی تہذیب کا مقصد کامل یک رنگی نہیں بلکہ مختلف علاقائی اور جماعتی تہذیبوں کی مکمل ہم آہنگی ہونی چاہئے۔اس کے علاوہ اس تہذیب کا دامن اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ جس میں ویدک ہندو، بودھ، پرانک ہندو اور مغل ہندوستانی تہذیبوں کے بہترین عناصر جو خود ہمیں ماضی کی میراث میں ملے ہیں اور جدید مغربی تہذیب کے بہترین عناصر جو ہم نے اب تک لئے ہیں یا آئندہ لے سکتے ہیں، سما سکیں اور مل جل کر ایک ہم آہنگ مرکب بنا سکیں۔

جنوبی ایشیاء کی مختلف جماعتوں کی تہذیبی روح یعنی ان کا مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، اور جمالی شعور دراصل ایک ہے اور ان کے رہن سہن میں بھی مجموعی طور پر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ غرض قومی تہذیب کی ایک گہری اور ٹھوس بنیاد پہلے ہی سے موجود ہے۔مگر زبانیں ملک کے مختلف حصوں میں الگ الگ ہیں اور ہر لسانی علاقہ میں مقامی رنگ سے عام تہذیبی نقشوں میں تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔اس لئے اس بنیاد پر مشترک تہذیب کی تعمیر مشکل ہوگئی ہے اور لسانی فرقہ واریت نے اس مشکل کو اور بڑھا دیا ہے۔چنانچہ تہذیبی ہم آہنگی کی فضاء پیدا کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کی ضرورت ہے کہ لسانی فرقہ واریت کو ختم کر دیا جائے

یہ دریافت کیا جاتا کہ کس آسمان کے انسانی ذہن نے اپنے منتخب عطیات کو ارتقائی شکل دی ہے، زندگی کے اہم ترین مسائل کو تعمق کے ساتھ تفکر کی راہ دی ہے اور ان میں سے بہت سارے مسائل کا حل دریافت کیا ہے جس کی طرف ان لوگوں کی بھی توجہ مبذول ہوئی ہے جنہوں نے افلاطون اور کانٹ کا مطالعہ کیا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ سرزمین ہندوستان ہے۔"

رومن رولاں نے لکھا ہے:

"اگر دنیا میں کوئی ایسا خطہ ہے جہاں انسان نے اپنے وجود کے خواب سے لے کر آج تک کے خوابوں کے لئے جگہ باقی رکھی ہے تو وہ ہندوستان ہے۔"

جنوبی ایشیاء کی یہ عظمت اس کی اپنی شخصیت کے اظہار کی وجہ سے ہے اور جنوبی ایشیائی شخصیت کا دوسرا نام مشترکہ کلچر ہے۔ غرض جذبات اور مصلحتوں کو چھوڑ کر معروضی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے دھارے جہاں دو مذہب کے سرچشموں سے نکلتے ہیں ایک دوسرے سے الگ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ خود ان دونوں مذہبوں کے سوتے ایک ہی عظیم الشان خزانے سے نکلے ہیں، جو سطح کے نیچے ایک بحرِ بے کنار کی صورت میں موجزن ہے۔ لیکن اس وحدت کا احساس صرف ایک صوفی کو مراقبے کی گہرائیوں میں ہوسکتا ہے اور وہ بھی ایک آنی فانی کیفیت کے طور پر جو چھلاوہ کی طرح دل میں جھلک کر چھپ جاتی ہے۔ اسے ذہن سے پکڑنا چاہے تو ہاتھ نہیں آتی۔ البتہ جب دونوں دھاروں کو زمانے کی ہوائیں ہندوستان کی سرزمین پر ایک دوسرے کے قریب لے آئیں تو تاریخ

تمدن، کلچر اور انسانیت دوستی نے جنوبی ایشیاء سے متعلق ہر قطع زمین کو متاثر کیا ہے۔ ہندوستان سے باہر کے جو علاقے ہیں ان تمام پر ہندوستانی تہذیب وتمدن کے اثرات واضح انداز میں دیکھے اور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کا قدیم 'ہمہ اوست' کا فلسفہ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد صوفیوں کے وحدت الوجود کے فلسفے نے جنوبی ایشیاء کے عوام کو نہ صرف خدا کو سمجھنے میں مدد دی ہے بلکہ خدا دوستی کا پیغام بھی دیا ہے۔ انسانیت کی فلاح کے لئے اس سے بڑا شاید کوئی اور پیغام ممکن نہیں۔

جنوبی ایشیاء وہ خوش قسمت خطۂ زمین ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے فرمایا تھا کہ ''انہیں یہاں سے ٹھنڈی ہوا آرہی ہے''۔ یہ قول ایک ایسی سند ہے جس پر جنوبی ایشیاء اور اس کی تہذیب جس قدر فخر کرے کم ہے اور اسی بنا پر دنیا کے دوسرے حصے محروم ہیں۔

یہ قول جنوبی ایشیاء میں انسانیت کی عظمت کے گن بھی گاتا ہوا نظر آتا ہے... یہاں عظمتِ انسان کا گیت سر چڑھ کر بول رہا ہے اور اسی بنیاد پر اقبال نے کہا تھا۔

ع عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

خدا کی بارگاہ میں روزِ اول سے روشن و تابناک ستاروں نے حمد و ثنا کی ہے اور اگر عروجِ آدمِ خاکی سے ستارے بھی سہم جاتے ہیں تو یہ جنوبی ایشیاء کی تہذیب کے زندہ و تابندہ ہونے کی روشن دلیل ہے، ایسی دلیل جس کی مثال دنیا کی کوئی بھی، جی ہاں کوئی اور تہذیب پیش نہیں کرسکتی۔

☆☆☆

اور سب جنوبی ایشیائی زبانوں اوران کے بولنے والوں کی مختلف تہذیبوں کو اپنے اپنے قطعہ میں آزادی سے نشو ونما پانے کا موقعہ دیا جائے اور دوسری طرف اس بڑے دائرے کے گرد جو ملک کی مجموعی تہذیبی زندگی پر محیط ہے ایک دائرہ مقامی تہذیبوں کے قطعوں کو کاٹتا ہوا کھینچا جائے جسے مشترک قومی زبان اور تہذیب کا دائرہ قرار دیا جائے اور پھر قومی زبان اور تہذیب کو ملک کے ہر باشندے تک پہنچانے کے لئے موثر تدابیر اختیار کی جائیں۔

جنوبی ایشائی تہذیب وتمدن کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دنیا کا قدیم ترین تمدن ہے جس کا ارتقاء صدیوں تک جاری رہا اور جس کی بیشتر خصوصیات آج تک زندہ جاوید ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمدنِ جنوبی ایشیاء کی تاریخ، تمدنِ عالم کی تاریخ ہے۔ جنوبی ایشیائی سماج سارے اقطارِ عالم میں ایک منفرد حیثیت وخصوصیت کا حامل سماج ہے۔ وہ ایک ایسا گلدستہ ہے کہ جس کو مختلف قوموں نے مختلف ادوار میں اپنی اپنی تہذیبی قدروں کے گلہائے رنگارنگ سے آراستہ کر کے اس کی زینت و دلکشی کو خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ موجودہ ہندوستان کی مشترکہ یا گنگا جمنی تہذیب جنوبی ایشیاء کی مشترکہ تہذیب کی حیثیت سے ساری دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ قرنوں پرانے جنوبی ایشیائی سماج کی مختلف اقوام کی متنوع خصوصیات اور بہ لحاظ رنگ ونسل، عادات واطوار اور مذہب وعقائد میں پائے جانے والے باہمی اختلاف کے باوجود ان میں بڑی حد تک یک رنگی اور امتزاج بھی پایا جاتا ہے جو یہاں کے عوام کی روز مرہ کی زندگی کے معمولات اور عام رسم و رواج میں ہمیں اکثر دکھائی دیتا ہے۔

ہندوستان جنوبی ایشیاء کا ایک عظیم اور برتر ملک ہے جس طرح بڑے سمندر کی لہریں چھوٹے تالابوں کو اپنے صاف وشفاف پانی سے لبریز کر دیتی ہیں اسی طرح ہندوستانی تہذیب،

رسومِ ہند	سید احمد دہلوی
مسائلِ تصوف	میکش اکبرآبادی
ہندوستانی تہذیب	ڈاکٹر اقبال حسین
ہندوستانی تاریخ وثقافت اور فنونِ لطیفہ	عتیق احمد صدیقی
History of World Civilization	Lucas
A Short History of Civilization	Thormdyke
Discovery of India	Jawaher Lal Nehru
South Asia	James H.K.Norton

مصادر و مراجع

کتاب کا نام	مصنف کا نام
تاریخِ تمدنِ ہند	محمد مجیب
تاریخ وتہذیب عالم	اے۔اے۔ہاشمی
قدیم ہندوستان کی ثقافت وتہذیب	عرش ملسیانی
قدیم لکھنؤ کی آخری بہار	مرزا جعفر حسین
قومی تہذیب کا مسئلہ	سید عابد حسین
گجرات کی تمدنی تاریخ	سید ابوظفر ندوی
لکھنؤ کی تہذیبی میراث	ڈاکٹر سید صفدر حسین
مغل تہذیب	محبوب اللہ مجیب
ہندوستان کا قدیم تمدن	اصغر حسین
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے	صباح الدین عبدالرحمٰن
ہندوستانی کلچر کا ارتقاء	ڈاکٹر تاراچند
ہماری تہذیبی میراث	سفارش حسین رضوی
اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب	ڈاکٹر کامل قریشی
دلی کی تہذیب	ڈاکٹر انتظار مرزا
پاکستانی کلچر	جمیل جالبی

آزاد بے راہ زندگی کے اثرات جنوبی ایشیاء پر پوری طرح نہیں پڑے ہیں اور جنوبی ایشیا کے اکثر ممالک میں کوئی نہ کوئی مذہب رائج ہے۔

موجودہ دنیا میں سائنس اور مادیت کی حکمرانی ہے سائنسی ترقیات کے طوفان نے قدیم روایات واقدار کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے کائنات میں ایسی ایسی عجیب و حیرت انگیز اختراعات کیں کہ عام ذہن جس کی معنویت واہمیت کا احاطہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس نظریہ نے تہذیب واخلاق، تدبیر منزل، خلوص ومحبت کے جذبات منہدم کر کے ہوس پرستی و مقصد براری کو فروغ دیا اور اس وقت مادیت کی دھن میں انسانیت مادر زاد جانوروں کی طرح دنیا کے کونے کونے میں پھر رہی ہے بالفاظ دیگر اس نئے تمدن نے مذہب بے زاری کی طرح ڈالی ہے۔ اس نے انسانیت کو انسانیت کے دائرے سے نکال کر جانوروں کے گلے سے ملا دیا ہے، جس سے انسانیت کا جوہر فنا ہو گیا ہے۔ اس مادی اور سائنسی ترقی سے پیدا ہونے والے جدید تمدن اور انسانیت سوز کلچر کا رونا ایک امریکی دانشور ان الفاظ میں رو رہا ہے۔

> ”ہم نے کیا کیا؟ تحت البحر کشتیاں بنائیں، زہریلی گیس اور ہوائی جہاز تیار کیے۔ یہ تو باہر ہوا، لیکن اندر کیا ہوا؟ ہم نے ان آلات کے ذریعہ انسان کی صفت درندگی کی پرورش کی اور بنی آدم کی تباہی کے گویا ہم ٹھیکیدار بن گئے۔ ہمارے سینما اور ہماری موٹر کاریں کیا ہیں؟ بدکاری کی مبلغ (جس سے چوروں اور عورتوں کو بھگا لے جانے میں مدد ملتی ہے)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج نہ مردوں میں عزت باقی ہے نہ عورتوں میں عفت، منزل زندگی تباہ ہے، نہ آج کی آزاد عورتوں کو مرد کی پرواہ ہے نہ مرد کو عورت کی۔ عورت کے لیے سب سے مسرور کن نظارہ مرد کی نگاہ شہوت ہے“[1] (القاسم ماہنامہ شوال ۱۳۴۸ھ)

---

[1] بحوالہ تعلیمات اسلام ومسیحی اقوام، ص۔ ۱۷۷

انسانیت اور جنوبی ایشیاء کی تہذیب

☆ کلیم صفات اصلاحی

دنیا میں مختلف قوموں، فرقوں اور آبادیوں کے مختلف عناصر کو ایک ساتھ مل جل کر رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قوم ایک دوسرے کے مزاج، تمدن، تاریخ اور تعمیری و تخلیقی صلاحیتوں سے واقف ہو۔ اسی لیے موجودہ زمانہ میں متمدن اور ترقی یافتہ قوم یا ملک کا نشانِ امتیاز اس کی دوسرے ممالک کی زبان و ادب، ثقافت و کلچر اور عہد ماضی میں ان کے فنون لطیفہ میں مہارت سے واقفیت تصور کیا جاتا ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کے علوم و آداب اور ثقافت و کلچر کے مطالعہ کو اسی لیے ضروری قرار دیتا ہے اور اس وقت ہر ملک میں دوسرے ممالک سے تہذیبی روابط کے لیے ادارے قائم ہیں، جن پر فراخدلی اور بلند ہمتی سے سرمایہ لگایا جاتا ہے۔

مذہب اور تہذیب کا تعلق انسان سے بہت گہرا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ مذہب اور تمدن میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ بعض تہذیبیں مذہب کے تابع ہیں اور مذہب اپنا واضح اور الگ وجود رکھتا ہے اور مختلف مذہبی روایتیں مختلف سطحوں پر اپنے سماج کو متاثر کرتی ہیں اور تہذیب و تمدن بلاقیدِ مذہب یہ ہے کہ انسان کی سماجی زندگی کسی خاص رسم و رواج کی پابند ہو۔ اس کی مثال فی زمانہ مغربی اقوام و ممالک کا طرزِ معاشرت ہے جہاں زندگی، مذہب یعنی روحانی تعلیمات سے آزاد رہ کر گذاری جاتی ہے اور بعض دنیاوی رسم و رواج کی پابندی کرنا ہی زندگی کا مقصد تصور کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی

مذہبوں اور فکر وخیال کے لوگ بود وباش رکھتے ہوں، کتنا اہم اور ضروری ہے۔ اسی میں ملک و قوم کی تہذیبی، سماجی اور علمی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ ظاہر ہے جب آزادانہ طور پر اپنے فکر و خیال پر جمے رہنے کا انسانی حق محفوظ رہے گا تو محبت وخلوص، صلح وآشتی کا ماحول اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ خیر سگالی کا جذبہ کارفرما رہے گا۔ اتحاد واتفاق کی فضا ہموار ہوگی اور ہر نفس امن وسکون کی سانس لے گا۔

اسی تناظر میں جمہوریت کے علم بردار ملکوں کو جائزہ لینا چاہیے کہ انہوں نے سیاست، معاشرت، تعلیم، تہذیب غرض زندگی کے تمام شعبوں میں کہاں تک اس مزاج کا لحاظ وخیال رکھا ہے۔ کیا ان ملکوں میں ہر شخص، ہر فرقہ، ہر طبقہ اور ہر معاشرہ کو تہذیبی، تعلیمی، معاشرتی تحفظات حاصل ہیں۔ یا غالب مغلوب پر، زبردست زیر دست پر، ترقی یافتہ غیر متمدن پر، عالم جاہل پر، رہ نما متبعین پر زیادتی کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ جمہوریت کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اس طرح کوئی قوم، کوئی ملک، کوئی جماعت، انسانیت کو اس کی اعلیٰ معراج پر کبھی نہیں پہنچا سکتی۔ اپنے سیاسی فوائد کے حصول کے لیے رواداری کے بجائے فرقہ واریت، وسعت نظر کے بجائے تنگ نظری، انصاف کے بجائے پشت پناہی اختیار کرنا، انسانی اور جمہوری مزاج کی نظر میں سنگین جرم ہے۔

برصغیر ہند و پاک کی قدیم تہذیب

اب ہم جنوبی ایشیا کے ممالک پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا، مالدیپ اور بھوٹان کے تہذیبی حالات کا اجمالی جائزہ مذکورہ ترتیب کے لحاظ سے پیش کرتے ہیں تاکہ جنوبی ایشیا کے تاریخی وتہذیبی حالات جلوہ گر ہو کر سامنے آجائیں۔ برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں وسطی اور مغربی ایشیا سے آکر مختلف قومیں اور نسلیں آباد ہوئیں اور مقامی

لیکن اس فکر نے باوجود اپنی مضرت رسانیوں کے دنیا کو تعلیم و تجربہ کے میدان میں ایک خاص سمت عطا کی جس سے علمی و تعلیمی بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی اور جہالت و نادانی جو قدیم زمانہ میں زیادہ تر انسانوں کا خاصہ تھی رفتہ رفتہ دور ہوتی گئی اور ہر شخص اس نئے فکری رجحان کا اسیر ہوتا گیا۔ تعلیم و تعلم سے دلچسپی نے بادشاہت اور قبائلی نظام سے لڑنے کا جذبہ پیدا کیا اور یہ تصور دیا کہ ہر انسان آزاد ہے جو کسی خاص بادشاہ یا سردار قوم کا غلام بن کر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد جمہوریت کا ایک عام مزاج بن گیا۔ جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے کہ جس کے اندر قانون کا ماخذ کوئی خاندان، طبقہ، گروہ یا فرد نہیں ہوتا بلکہ اس کا ماخذ عوام کا اجتماعی ادارہ ہے، اس سے اوپر کوئی اتھارٹی یا طاقت نہیں ہوتی [1] عوام نمائندہ کا انتخاب کرتے ہیں، جنہیں حکومت اور قانون بنانے کا حق ہوتا ہے۔ جمہوریت کا اس سے وسیع تصور یہ ہے کہ جمہوریت کچھ قدروں کا نام ہے جن میں فکر و خیال، عقیدہ و مذہب کی آزادی ہو اور انسان کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہو۔ قانون سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور ہر ایک کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرے۔

اس زمانہ میں یہ طرزِ حکومت دنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہے۔ جنوبی ایشیا کے بیشتر ملکوں کا نظامِ حکومت بھی یہی ہے۔ فرانس کی مجلس انقلابی نے جب ۱۷۷۰ء میں حقوقِ انسانی کا اعلامیہ جاری کیا تو اس کے بعد ہی دنیا کے دساتیر میں بنیادی انسانی حقوق کا اندراج مختلف انداز اور پیرایوں میں کیا گیا انہی حقوق سے مختلف ممالک کی اقلیتیں بھی مساویانہ طور پر استفادہ کرتی ہیں [2]

جمہوریت کا یہ تصور ہر انسانی معاشرہ کے لیے، خاص طور پر جب ایک ہی ملک میں مختلف

---

[1] ماہنامہ زندگی نو، جون ۱۹۹۸ء ص۔ ۲۷

[2] ماہنامہ زندگی نو، جون ۱۹۹۸ء، ص۔ ۲۵

قدیم زمانہ میں تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی جس میں مندر سازی، قلعوں کی تعمیر وغیرہ کے متعدد نمونے آج بھی اپنے لاجواب طرزِ تعمیر کی داستان سنا رہے ہیں۔ مجسمہ سازی اور مصوری کے فن سے لوگ بخوبی واقف تھے۔ گوتم بدھ کے مجسمے اس کا بیّن ثبوت ہیں[1]

ان تمام تہذیبی و تمدنی ترقیوں کے باوجود برصغیر میں آباد قوموں اور نسلوں میں فرق مراتب اور عدم مساوات کا عنصر کافی حد تک بڑی ذات والوں میں پایا جاتا تھا۔ یہ پورا علاقہ بے شمار خاندانوں، فرقوں، ذاتوں اور راجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس سماجی تقسیم کے رجحان نے انسانیت کو بہت نقصان پہنچایا۔ دینی و مذہبی معاملات کا مرجع برہمن طبقہ تھا۔ مزدور اور کم درجہ کے لوگوں کے باب میں یہ تصور تھا کہ یہ بڑی برادری والوں کی خدمت کے لیے ہی پیدا کیے جاتے ہیں۔ علم اور بہادری کے جوہر ان کے اندر نہیں پائے جاتے اس لیے ان سے صرف وہی کام لیا جائے۔ لیکن جب اسلام برصغیر میں داخل ہوا تو اس نے نہایت خلوص و محبت اور مذہبی رواداری کی راہ اپناتے ہوئے یہاں کی قوموں اور نسلوں کے فکری رجحانات میں تبدیلی لانے کی کوشش شروع کی اور کافی حد تک سماجی و برادرانہ تقسیم کا قلع قمع کیا۔ بی این پانڈے نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی آمد کے وقت یہ ملک بے شمار خاندانوں، فرقوں اور ذاتوں، قبیلوں اور راجواڑوں میں بٹا ہوا تھا، مغل دور میں اس سماجی و طبقاتی تقسیم میں بھی کچھ کمی آئی[2]

برصغیر میں اسلامی تہذیب

مغلوں نے ہندوستان بشمول پاکستان و بنگلہ دیش کے تہذیبی و تمدنی حالات میں کس قدر اضافہ کیا، اس سلسلہ میں جدوناتھ سرکار جو اصلاً مغل حکومت سے اپنے دل میں نفرت و بیزاری کے جذبات رکھتے ہیں اور ان کو قزاق اور نہ جانے کیا کیا اپنی کتابوں میں بنا ڈالا ہے

---

1. ہندوستان کا شاندار ماضی (اردو ترجمہ) ص ۵۰۷
2. ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایات، بی این پانڈے ص ۸

باشندوں کے اختلاط سے دراوڑی نسل وجود میں آئی۔ دراوڑیوں کے بعد آریائی، ایرانی، یونانی، عرب، ترک اور منگولی نسل کے لوگ پہنچ کر یہاں آباد ہوئے۔[1] ان قدیم نسلوں نے یہاں اپنے تہذیبی نقوش چھوڑے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے پہاڑی علاقوں میں دو ہزار سال پیشتر دیہاتی آبادیوں کے کچھ نشانات کا پتہ لگایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے قدیم باشندے اعلیٰ درجہ کے معمار تھے، فنون لطیفہ میں نقاشی، مصوری وغیرہ سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ شروع شروع میں یہ مظاہرِ قدرت جیسے چاند، سورج، پانی، آگ وغیرہ کی پرستش کرتے تھے، جس کا اندازہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں رگ وید، یجروید، اور اپنیشد وغیرہ سے ہوتا ہے۔ ان میں قربانیوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ عقیدہ نروان، تناسخ کے قائل تھے۔ ان لوگوں میں مُردوں کو دفنانے اور جلانے کا رواج تھا، عموماً سبزی اور گوشت استعمال کرتے تھے۔ شکار، بیل گاڑیوں کی دوڑ، موسیقی اور رقص سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کے زیورات سونے چاندی اور ہاتھی دانت، ہیرے، عقیق اور دوسرے قیمتی پتھروں کے ہوتے تھے۔[2] صنعت وحرفت سے بھی دلچسپی تھی۔ گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی تھی۔ گائے، بکری سور وغیرہ کھاتے تھے۔ بھینس اونٹ، ہاتھی اور بیل وغیرہ کا استعمال مختلف مقاصد کے لیے کرتے تھے۔ کلہاڑی، چھرا، تیر، کمان، اور گوپھن وغیرہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ فنِ مجسمہ سازی میں ماہر تھے۔ بعد میں جب ذہنی سطح بلند ہوئی تو انہوں نے لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی جس کا ثبوت ان کی قدیم مہریں اور قدیم عمارتوں پر لکھے گئے لفظوں سے ملتا ہے۔ آلاتِ موسیقی میں ڈھول، جھانجھ اور بانسری وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔ چٹائیاں اور کپڑا بننے کا کام عورتیں کرتی تھیں۔[3]

---

1. اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵، ص۔ ۳۶۹۔
2. اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵، ص۔ ۳۷۱
3. یہ تفصیلات، قدیم ہندوستان کی تاریخ ص ۳۵ تا ۹ سے ماخوذ ہیں۔

مسلم لٹریچر کو کافی ترقی نصیب ہوئی۔ فنونِ جنگ اور تمدن کے عام
شعبوں کو فروغ حاصل ہوا''۔ [1]

مغلوں کے عہد میں سنسکرت کو بڑھاوا ملا۔ ہندی زبان میں تلسی داس کی رام چرت مانس، محمد جائسی کی پدماوت اور ماری گاوت وغیرہ کتابیں منظر عام پر آئیں۔ سنیاوت، کندراوت اور مادھوملاتی وغیرہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ فن تاریخ نویسی سے یہاں کے لوگ ناواقف تھے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب کی تاریخ لکھوائی۔ اس طرح ہندوستانی لٹریچر میں ایک نئے اور مفید مضمون کا اضافہ ہوا۔ مغلوں کے نظم ونسق کو ہندوراجاؤں نے بڑی رغبت سے اپنایا، توپوں اور بارود کے استعمال سے مسلمانوں نے ہی برصغیر ہندو پاک کو آشنا کیا۔ اس کے علاوہ ملکی نظام اور دربار کے آداب، لباس، اعلیٰ طبقوں کے طرزِ زندگی، سامانِ تعیش، فنونِ لطفیہ، تعمیرات اور فنِ باغبانی میں مغل اثرات کافی نمایاں ہیں۔ کاغذ کا استعمال مسلمانوں نے ہی رائج کیا۔ مخطوطات کی طلاکاری ایک خاص آرٹ ہے جس کے موجد مغل ہی ہیں۔ بعد میں ہندوؤں نے اس فن کو اپنایا۔ [2]

انگریزی تسلط

سلطنت مغلیہ (جس میں موجودہ پاکستان و بنگلہ دیش بھی شامل تھے) کے زوال کے بعد انگریزوں کی قوت ابھر کر سامنے آئی۔ یہ برصغیر میں صرف دولت کمانے کے مقصد سے داخل ہوئے تھے۔ ہندوستان کی تہذیب اور ان کی دیرینہ روایات سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کی دو بڑی قوموں کے درمیان پھوٹ ڈال کر باہمی اتحاد کو ختم کیا اور پھر رفتہ رفتہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divide and Rule) کے اصول پر عمل

---

[1] ''اسلام انڈیا'' ہندوستان ریویو بحوالہ مذہبی رواداری ص۔۱۳۱

[2] مذہبی رواداری سے یہ تفصیلات لی گئی ہے۔

تاہم اس کے باوجود وہ لکھتے ہیں کہ ہندو راجاؤں کے زمانہ میں ہندوستان کے صوبہ جات آزاد تھے۔ اور ان میں یکسانیت اور سیاسی اتحاد نہیں تھا۔ ہر صوبہ کی علیحدہ زندگی تھی اور پرانے طرز کی حکومت تھی لیکن مغل حکمرانوں نے دوسو سال تک حکومت کی اور ان کا دائرہ حکومت سمندر گپت اور اشوک سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ شمالی ہندوستان اور دکن کے بڑے حصے میں سرکاری زبان، ملکی نظام، سکہ جات، مشترکہ زبان میں بڑی یکسانیت پائی گئی اور مغلوں کے زیر نگیں علاقوں میں ہندو راجاؤں نے ان کی اتباع کی۔ مغل صوبوں کے ۳۲ صوبوں کا نظام بالکل یکساں تھا۔ سرکاری القاب، طریقۂ کار، سرکاری کاغذات، فرامین، اسناد راہداری وغیرہ میں فارسی زبان استعمال کی جاتی تھی۔ تمام صوبوں میں ایک ہی نام کا سکہ، مسافروں کی سہولتیں، تاجر اور سیاح ایک شہر سے دوسرے شہر بڑی آسانی کے ساتھ سفر کرتے تھے۔[1]

ہندوستان ریویو میں جدوناتھ سرکار نے مغلوں کے برصغیر پر حسب ذیل تہذیبی احسانات کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

> "مسلمانوں نے بحری تجارت کو از سرِ نو فروغ دیا جس سے بیشتر علاقوں میں امن وسکون نصیب ہوا۔ تمام ملک میں ایک نظام قائم کیا۔ اختلاف عقائد کے باوجود اعلیٰ طبقوں کے عادات واطوار اور معاشرتی زندگی میں یک رنگی پیدا کی۔ تعمیرات میں نیا اسٹائل، عمدہ قسم کی صنعتوں کا فروغ، شال، کمخواب، قالین اور مرصّع کاری وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔ ریختہ یعنی مشترکہ زبان کو رواج دیا۔ اقتصادی خوشحالی کے باعث

---

[1] مغل ایڈمنسٹریشن باب اول ص ۳۹۔۲۳۵ بحوالہ مذہبی رواداری سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص۔۱۲۹

لیکن ۲۰ر جون ۱۹۴۷ء کو اس کے دو حصے (مغربی و مشرقی بنگال کی صورت میں) کر دیے گئے۔ مغربی بنگال تو ہندوستان کے زیرِ انتظام رہا لیکن سلہٹ اور مشرقی بنگال پاکستان کے حصہ میں چلا گیا۔[۱] جب تک یہ علاقہ پاکستان کے زیرِ انصرام رہا، یہاں مختلف تہذیبی و تمدنی ترقیاں ہوئیں اور پاکستان نے اپنا ایک صوبہ سمجھ کر اس کی علمی، تمدنی، صنعتی حالت کی بہتری میں خاص رول ادا کیا لیکن ۱۹۷۱ء میں اس ملک نے پاکستان سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ علیحدگی کے بعد یہاں شورش اور سیاسی عدم استحکام کا دور دورہ رہا ہے۔[۲]

حصولِ آزادی کے بعد علیحدہ ملک کی حیثیت سے ہندوستان نے علمی، سائنسی، صنعتی، تحقیقی، ادبی، تمدنی، تجارتی غرض موجودہ متمدن اور ترقی یافتہ دنیا کی زندگی کے تقریباً تمام میدانوں میں جس رفتار سے غیر معمولی ترقی کی ہے، اس کی مثال شاید ہی کسی ملک کی تاریخ میں ملے۔ ہندوستان نے اپنی پیشانی پر لگے غربت و پسماندگی کے داغ کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور بعض میدانوں میں اس نے بیرون ملک میں اپنی حیثیت منوائی ہے۔ ہندوستان میں مختلف فکر و خیال کے لوگوں کی آبادی ہے۔ ان کے بعض ذاتی تہذیبی و تمدنی خصائص ہیں جو انہیں اپنی ہم وطن قوموں سے ممتاز و نمایاں کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے اپنے الگ الگ تہذیبی مراکز بھی ہیں۔ مسلمانوں، ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور بدھ کے پیروؤں کے علیحدہ علیحدہ معابد قائم ہیں۔ اس ملک میں بے شمار زبانیں رائج ہیں، جن میں اس کے بولنے والوں کے علمی و مذہبی ذخائر موجود ہیں۔ ہندی اور اردو بڑے پیمانے پر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ سرکاری زبان ہندی ہے اور انگریزی زبان بھی اس کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔ تامل، تیلگو، مراٹھی، ملیالم، گجراتی، بنگالی اپنی اپنی جگہ طاقتور ادبی ذخیرہ رکھتی ہیں

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ص۔۴۴۱

۲۔ ورلڈ ریفرنس اٹلس، مطبوعہ لندن ۱۹۹۸ء

کرتے ہوئے پورے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ مالگذاری، پولیس، عدالت، مالیات، جیسے اہم شعبوں پر قبضہ کر کے تقریباً دو صدی تک وہ قدیم ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔ ہندوستان کو انہوں نے عصری علوم سے آشنا کیا جب کہ ہندوستان کے لوگ تعلیمی پسماندگی کا شکار تھے۔ جغرافیہ، سائنس، اکنامکس وغیرہ جیسے مفید مضامین کا اضافہ کیا۔ مدرّسوں کی ٹریننگ کا انتظام کیا۔ انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم قرار دی گئی[1] جس سال انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی، ہندوستان کے بڑے شہروں کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں تین یونیورسٹیاں قائم ہو چکی تھیں۔ انہوں نے صنعتی کاروبار میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا[2] گو انگریزوں نے ہندوستانیوں کو سائنسی ترقیات اور جدید سہولتوں سے آشنا کیا تاہم یہاں کے عوام ان کے مظالم سے تنگ آگئے تھے، اس لیے ان کے خلاف بغاوت کردی۔ یہاں تک کہ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستانیوں، جس میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی قوموں کے لوگ تھے، نے مل کر ان سے اپنے ملک کو چھین لیا اور ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک بن گیا۔

آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی سیاست دانوں اور دانشوروں نے ایک ایسے دستور کو ترتیب دیا جس میں مختلف رنگ و نسل اور مذہب و قوم کو تہذیبی اور ملّی شناخت کے ساتھ جینے کی آزادی ہو۔ لیکن چوں کہ برطانوی استعماروں نے ہندوستان میں تنگ نظری اور مذہبی منافرت کا بیج نہایت ہوشیاری سے بو دیا تھا اور اسی کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم اور دراز بھی کیا۔ نتیجۂ قدیم ہندوستان دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ پاکستان اور ہندوستان۔ بنگلہ دیش، خلیج بنگال کے شمال میں واقع ہے۔ اس کی سرحدیں ہندوستان اور برما سے ملتی ہیں اور شمال مشرقی حصہ میں چٹاگانگ کی پہاڑی ہے۔ یہ علاقہ بھی پہلے ہندوستان کا حصہ تھا،

---

[1] ہندوستان کی تاریخ، ص۔۱۴۲

[2] ہندوستان کی تاریخ، ص۔۱۴۱ تا ۱۴۵ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔

لیکن ان کے دور حکومت میں سنسکرت کو ہی سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں سرکاری دفاتر میں کسی حد تک بنگلہ زبان کا عمل دخل شروع کیا گیا۔[1] بنگلہ دیش کا شمار دنیا کی گنجان آبادی والے ملکوں میں ہوتا ہے۔ ہندو مسلم کشمکش اور بدھسٹ تنازعہ اکثر سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے یہاں کی علمی، سائنسی، صنعتی، اور اقتصادی رفتارِ ترقی کافی مدھم پڑ گئی ہے۔ ۵۵% لوگ سطح غربت سے نیچے کی زندگی گذار رہے ہیں۔ آسمانی افتاد (سائیکلون) کی وجہ سے اکثر لوگ متصل ممالک میں کسبِ معاش کے لیے جاتے ہیں۔ چٹا گانگ کے پہاڑی لوگ خود مختاری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور شدت پسند مسلمان وہاں اسلامی حکومت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ عوامی لیگ سیکولرزم کی خواہاں ہے۔[2]

نیپال

نیپال، چین اور ہندوستان سے گھرا پہاڑی ملک ہے۔ بحری تجارت کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔[3] نیپال کے باشندے مختلف النسل ہیں اور ان کی زبانیں بھی مختلف ہیں۔ قدیم زمانہ میں یہاں گورکھ قوم صاحب اثر و رسوخ تھی۔ ان کے دعوے کے مطابق یہ راجپوت نسل کے ہیں۔ جو فتوحاتِ اسلامی کے زمانے میں بھاگ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہ مذہباً ہندو ہیں اور ان کی زبان جس کو پربینیا کہتے ہیں، سنسکرت اور تبتی زبان کے میل جول سے وجود میں آئی ہے اور ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔[4] نیپال کی وادی اشوک کی قلمرو

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۴، ص ۹۵۹

[2] ورلڈ ریفرنس اٹلس، ص۔ ۹۲ و مابعد۔

[3] ورلڈ ریفرنس اٹلس، ص۔ ۳۶۴ و مابعد

[4] تمدن ہند، ص۔ ۳۲

لیکن اچھا ادب پیدا کر لینا سائنسی علوم کا نعم البدل تو نہیں ہوسکتا۔[1]

مختصر یہ کہ ہندوستان اس وقت دنیا کے متمدن اور ترقی یافتہ ممالک کی دوڑ میں شامل ہے اور ان سے ہندوستان کے تہذیبی، علمی، سائنسی روابط قائم ہیں۔ یہاں اقلیتیں بھی دوسرے ممالک کی بہ نسبت محفوظ ہیں۔ البتہ حکمراں طبقہ کے سامنے بعض اوقات بڑی مشکلیں پیش آجاتی ہیں جس کی وجہ سے کہیں نہ کہیں جمہوریت مذہبی عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے۔

پاکستان

پاکستان بھی علیحدہ ملک کی حیثیت سے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں ترقی کی طرف گامزن ہے۔ وہ بھی ایک جمہوری ملک کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ لیکن ملک کی تہذیبی فلاح و بہبود کے ذمہ دار اصلاً سرمایہ دار لوگ ہیں، جنہیں حکومت میں اعلیٰ مناصب اور اختیارات حاصل ہیں۔ صنعتی اعتبار سے یہ ملک کافی کمزور ہے اور اس کے لیے وہ کوشش کر رہا ہے۔ وہاں کے بھی جمہوری مزاج کو مہاجرین و اصلی باشندوں کی کشمکش سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ تاہم علمی، سائنسی، تمدنی حالات میں مزید بہتری کے لیے کوشاں ہے۔ بے شمار اخبارات، ماہنامے وغیرہ شائع ہوتے ہیں جو ملک کی مختلف زبانوں میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔[2]

بنگلہ دیش

بنگلہ زبان، بنگلہ دیشیوں کی غالب اکثریت کی زبان ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل بنگلہ زبان کا کوئی تہذیبی وادبی سرمایہ نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اس زبان کی سرپرستی کی اور اس میں دینی کتابوں کے تراجم کرائے۔ اس کے بعد ہندو علماء نے بھی اس زبان کی طرف خاص توجہ کی۔

---

[1] ہندوستان پس منظر و پیش منظر ص ۱۴۸

[2] تفصیلات کے لیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵، ص۵۴۶ و مابعد و پاکستان میں ذہنی رجحانات ص ۹ و مابعد ملاحظہ ہوں۔

''لنکا کا بادشاہ بیدار مغز ہے۔ اس کے ۱۲/ روزیر ہیں، ۴/اس کے ہم مذہب (بودھ) ۴/ مسلم، ۴/ عیسائی۔ بادشاہ ہر مذہب کے علماء سے بعض سرکاری ملازمین کے ساتھ ملاقات کرتا ہے۔ وہ (مسئلہ مسائل میں) اپنے اپنے مذہبی قوانین و احکام بتاتے ہیں اور جو باتیں اس کو نہیں معلوم ہوتیں اس سے آگاہ کرتے ہیں۔ شراب عراق اور ایران سے منگائی جاتی ہے۔ بادشاہ خرید کر پورے ملک میں فروخت کرتا ہے ...... وہ زنا کو سخت ناپسند کرتا ہے .. آگے لکھتا ہے لنکا سے ریشمی کپڑے اور ہر قسم کے یاقوت دیگر جواہرات اور خوشبوئیں برآمد کی جاتی ہیں .. .. یہاں کے باشندے شطرنج، چوسر اور جوئے سے رغبت رکھتے ہیں . . .وغیرہ وغیرہ [1]

ہندوؤں کا قدیم زمانے میں لنکا کے بارے میں عقیدہ تھا کہ یہ شیاطین کا قلعہ ہے اس لئے دکھن سمت میں کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ چوں کہ لنکا دکھن سمت میں ہے اس لئے وہ اس سمت ہی کو منحوس سمجھتے تھے [2]

۱۹۴۸ء میں لنکا نے برطانوی اقتدار سے خود مختاری حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء سے صنعتی (انڈسٹریل) کاروبار کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ تمل اور سنہالی میں زبردست کشمکش رہتی ہے۔ تمل اپنی آزاد ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تمل اور سنہالی تنازعات سے تمام سیاسی موضوعات (شعبے) اثر پذیر ہو رہے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ایل ٹی ٹی ای اور حکومت کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی۔ یہ شمال اور مشرق میں آزاد ریاست کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیکن حکومت ان سے عدم اختلاف اور اتحاد کی خواہاں ہے۔ سری لنکا میں شورش اور خلفشار کے باوجود شرح خواندگی تمام ترقی پذیر ممالک سے بھی زیادہ 90% ہے۔ بہت سارے طلبہ تحصیلِ علم کی غرض سے بیرونِ ملک کا سفر کرتے ہیں [3]

---

[1] وصف الہند ما یجاور ہا ص ۱۴۔۱۵

[2] کتاب الہند بیرونی (اردو ترجمہ) ص ۳۱۴

[3] ورلڈ ریفرنس اٹلس ص۔ ۵۰۶ مابعد

میں شامل تھی اور اس نے یہاں بہت سے استوپ اور مٹھ تعمیر کروائے اور بدھ مذہب اس زمانہ میں خوب پھلا پھولا۔اس کے بعد رفتہ رفتہ بدھ دھرم ہندومت میں ضم ہوتا گیا اور اس کی اصلی شناخت اب باقی نہیں رہی[1] یہاں دس سال قبل تک شہنشاہیت تھی،۱۹۹۱ء میں پہلی بار الیکشن ہوا جس میں شہنشاہیت کا خاتمہ ہوگیا۔نوے فیصد مذہباً ہندو، ۵% بدھ، ۳% مسلمان ہیں۔تعدد ازدواج کا عام رواج ہے[2] یہاں پرکاش کا جشن منایا جاتا ہے جس میں خوب چراغاں کیا جاتا ہے۔چھوٹے اپنے بڑے بوڑھے کے ہاتھوں میں عطر لگاتے ہیں۔ راہبوں کو تحفہ دیا جاتا ہے۔ ماگھ پوجا نام کا تہوار بھی منایا جاتا ہے[3] نیپال کی مجموعی شرح خواندگی نہایت کم ہے۔ اسکولوں میں ۸۰% لڑکے داخلہ لیتے ہیں۔لڑکیوں میں تعلیمی رجحانات کافی کم ہیں۔اقتصادیات کا انحصار زراعت پر ہے۔بجلی پیدا کرنے کی بہت گنجائش ہے[4]

سری لنکا

سری لنکا کے باشندے قدیم ہندوستانی اور جدید مغربی تہذیب کا سنگم ہیں۔ یہاں کی آبادی کئی نسلوں پر مشتمل ہے۔تامل، ویدا اور ولایتی سنہالی جو لنکا کے جنوبی ومغربی حصے میں آباد ہیں، بڑے طاقتور اور توانا ہیں۔ ان کی زبان سنہالی ہے، لیکن مذہبی یا علمی کتابیں پالی یا سنسکرت زبان میں ہیں۔ چال چلن اور رسم ورواج بدھ مت کے مطابق ہے[5] ادریسی نے لنکا کی تہذیب وثقافت کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں پیش ہے:

---

[1] قدیم ہندوستان کی تاریخ،ث۔۳۷۰

[2] ورلڈ ریفرنس اٹلس،ص۔۳۶۴

[3] سہ روزہ دعوت ہندوستانیت نمبر،ص۔۱۱

[4] ورلڈ ریفرنس اٹلس،ص۔۳۶۴

[5] جغرافیہ ہندوستان،ص ۱۴۸

مالدیپ میں سیاسی پارٹیاں نہیں ہیں۔ وہاں ۲۰ر انتظامی حلقے ہیں۔ ہر حلقہ سے دو ممبر چن کر آتے ہیں آٹھ ممبروں کو صدر منتخب کرتا ہے۔ یہ ممبر بااثر خاندانوں کے افراد ہوتے ہیں۔ سیاست خاندان اور قبائل کے گرد گھومتی ہے۔ تاہم بعض لوگ ایک آزاد سیاسی نظام کے لئے حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں[1] یہاں کے باشندوں کو ماہی گیری سے خاص لگاؤ ہے اور اکثر اسی پیشہ سے وابستہ ہیں۔ سیاحت، اکسپورٹ اور زراعت میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں[2] مالدیپ کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں کو سخت مشکلات اور چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اس لئے کہ وہاں تقریباً ۶۰ر قبائل بیسوں آبادی میں رہتے ہیں۔ ابتدائی، متوسط اور ثانوی درجوں کی تعلیم کے لئے حکومت کے بہت کم مدرسے ہیں۔ اس تعلیمی بحران کے باعث ثانوی درجوں کی تعلیم کے لئے طلبہ بیرونِ ملک کا سفر کرتے ہیں[3]

بھوٹان

دارالحکومت تھیمپو، ہمالیہ کی گود میں ہند اور چین کے درمیان ایک پہاڑی مملکت ہے، جس کا ۷۰ر فیصد حصہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ شمال سے جنوب کی طرف ڈھلوان ہے۔ یہاں یاک چرانے والے نیم خانہ بدوش آباد ہیں۔ بڑی حد تک یہ خارجی دنیا سے کٹا ہوا ہے[4] یہاں کے باشندے تبتی الاصل ہیں۔ اسی سے لگا ہوا سکم ہے۔ انگریزی محققین سکم کے باشندوں کو بھوٹانی باشندوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ موسیقی سے ان کو خاص دلچسپی ہے، جس کا اندازہ ان کے بین بجانے سے ہوتا ہے۔ ان میں کثرت البعول کی رسم جاری ہے۔ یہ بدھ مذہب کے پیرو ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں لاماؤں کی خانقاہیں ہیں۔ یہ عمارتیں اکثر خوش منظر مقام پر تعمیر کی گئی ہیں[5] عہدِ قدیم میں یہاں کے باشندے بھوٹنے کہلاتے تھے اور

۱؎ ورلڈ ریفرنس اٹلس ۲؎ التضامن الاسلامی حوالہ مذکور

۳؎ ورلڈ ریفرنس اٹلس۔ ۴؎ ورلڈ ریفرنس اٹلس، ص۔۱۱۰ ۵؎ تمدن ہند، ص۔۷۹

مالدیپ

اسلامی جمہوریہ مالدیپ ۱۱۹۰ کورل جزیروں کا ایک جھرمٹ ہے جس میں صرف دوسو جزیرے آباد ہیں[۱] سری لنکا کے جنوب میں یہ ملک ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ مالدہی قبائل کا تعلق اصلاً آریائی نسل سے ہے جو چند برس ق م سری لنکا اور ہندوستان کے قریبی ممالک سے جا کر وہاں آباد ہوگئی تھی[۲] جنوبی کناروں کے باشندوں کی ہیئت کذائی سنہالیوں سے مشابہت رکھتی ہے[۳] ۱۹۶۵ء میں اس نے برطانیہ سے خودمختاری حاصل کی۔ صدفی صد سنی مسلم ہیں۔ چوتھائی آبادی راجدھانی مالے میں رہتی ہے۔ طرزِ حکومت جمہوریت ہے۔[۴] مالدیپ کی سرکاری اور قومی زبان دیوہی ہے ماضی بعید میں ایلوزبان کا چلن تھا، جو اصلاً لنکا کے سنہالیوں کی زبان تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد یہ زبان عربی اور فارسی سے متاثر ہوئی۔ اس کے حروف بڑی حد تک قدیم سنہالی حروف سے مشابہ ہیں جو دوسو سال قبل سے یہاں رائج ہے۔ یہ دائیں سے بائیں کی طرف لکھی جاتی ہے۔ اس کے بعض حروف عربی سے ملتے ہیں۔ انگریزی زبان کی ثانوی حیثیت ہے۔ مگر پھر بھی بعض مدرسوں میں انگریزی ذریعۂ تعلیم ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بدھ تہذیب وثقافت کا مرکز تھا اور اس کے ہندوستان سے تہذیبی روابط تھے۔ ۱۱۵۳ء میں یہاں اسلام داخل ہوا۔ اس جزیرے کے قبول اسلام کا واقعہ تاریخ کی معتبر کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ یہاں ہر مہینہ سمندر سے دیو کی شکل میں ایک بلا آتی تھی تو لوگ ایک کنواری لڑکی کو سجا سنوار کر سمندر کے کنارے بت خانہ میں چھوڑ آتے تھے۔ لیکن ابوالبرکات مغربی کی دعا سے یہ بلا ٹل گئی تو وہاں کا حکمراں شنورازہ اپنی تمام رعایا کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گیا۔[۵]

---

۱ ورلڈ ریفرنس اٹلس۔ ۲ التضامن الاسلامی ص۔۴، اگست ۱۹۸۸ء

۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۸، ص۔۳۶۹۔ ۴ مسلم دنیا، ص ۱۶۲

۵ التضامن الاسلامی ص۔۷۵

مراجع ومستفاد کتابیں ورسائل

(۱) جغرافیۂ عالم حصہ اول، مرتبہ مولوی سید ہاشمی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔۱۹۲۴ء

(۲) قومی تہذیب کا مسئلہ، سید عابد حسین، ترقی اردو بیورو، دہلی ۱۹۸۴ء

(۳) اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء

(۴) جغرافیہ ہندوستان، محمد عبدالرحمٰن، (توائی) قمر پرنٹنگ رنگون

(۵) ہندوستان کا شاندار ماضی، اے۔ایل۔ ہاشمی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۲ء

(۶) ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، معارف پریس، اعظم گڈھ ۱۹۹۳ء

(۷) مسلم دنیا، ماضی اور حال، محمد الیاس ندوی، مکتبہ الحسنات، دہلی ۱۹۹۴ء

(۸) کتاب الہند بیرونی، ترجمہ سید علی، انجمن ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۴۲ء

(۹) ہندوستانی مسلمان، سید ابوالحسن علی ندوی، تنویر پریس لکھنؤ ۱۹۶۱ء

(۱۰) دنیا کے بڑے مذہب، عماد الحسن آزاد، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۸۶ء

(۱۱) پاکستان میں دینی رجحانات، عبیداللہ قدسی، بک لینڈ کراچی ۱۹۸۵ء

(۱۲) تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، قاری محمد طیب ندوۃ المصنفین، دہلی

(۱۳) سہ روزہ دعوت، ہندوستانیات نمبر، دعوت آفسیٹ پریس، دہلی ۱۹۹۵ء

(۱۴) تمدنِ ہند، ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مطبع شمسی، آگرہ ۱۹۱۳ء

(۱۵) رحلہ ابن بطوطہ، ابن بطوطہ دار صادر، دار بیروت ۱۹۶۴ء

(۱۶) تاریخِ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، سید ہاشمی فرید آبادی، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۳ء

سانولے رنگ کے منگولی اور مغل نسل سے ان کا تعلق بتایا جاتا ہے[1]۔ 70% فی صد مہایان بدھسٹ 24% نیپالی ہندو ہیں۔ دونوں میں تھوڑی بہت کشمکش رہتی ہے۔ ۲۰ رزبانیں رائج ہیں 16% فی صد بولی جانے والی بھوٹان کی زبان Dzonkha سرکاری زبان ہے[2]۔

بھوٹان میں شہنشاہیت ہے۔ بادشاہ اپنے ملک کی کونسل، قومی اسمبلی اور اعلیٰ بدھسٹ مانک کی مدد سے حکومت کرتا ہے۔ موجودہ بادشاہ اپنے ملک کی جدید کاری کے منصوبوں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ تدریس سے لے کر سڑکوں کی تعمیر تک سبھی کام ہندوستانی کرتے ہیں۔ صرف چھ فیصد زمین پر کھیتی ہوتی ہے۔ صنعتی کاروبار بہت کم ہے۔ معدنی اشیاء کے ذرائع بھی معمولی ہیں۔ تجارتی روابط سب سے زیادہ ہندوستان سے ہیں۔ بھوٹان میں بجلی پیدا کرنے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ تعلیم مفت مہیا کی جاتی ہے۔ مگر لازمی نہیں ہے۔ ثانوی درجات میں صرف 5% طلبہ داخلہ لیتے ہیں۔ تعلیم انگریزی اور سرکاری زبان میں دی جاتی ہے۔ یہاں کوئی بڑی یونیورسٹی نہیں ہے[3]۔

جنوبی ایشیاء کے ممالک کے تہذیبی حالات کا مفصل احاطہ چند صفحوں میں کر لینا بہت مشکل ہے۔ بعض تفصیلات اختصار کے خیال سے رہ گئی ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ اہم اور ضروری باتیں ہی لکھی جائیں۔ ممکن ہے کہ قارئین کو تشنگی کا احساس بھی ہو لیکن ہم الفاظ کی قید کی وجہ سے مجبور ہیں۔

---

[1] جغرافیہ عالم ج ا ص۔۲۵۲

[2] ورلڈ ریفرنس ٹلس، ص۔۱۱۰

[3] ورلڈ ریفرنس اٹلس، ص۔۱۱۰

انسانیت اور جنوبی ایشیا کی تہذیب

☆ حنا انجم صدیقی

سارک یعنی جنوبی ایشیائی تنظیم برائے علاقائی تعاون۔ یہ دنیا کی سب سے نئی بین الاقوامی تنظیم ہے۔ یہ سات ملکوں پر مشتمل ہے۔ یہ ممالک ہیں بھارت، پاکستان، مالدیپ، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال اور بھوٹان۔ اس تنظیم کا مقصد جنوبی ایشیا میں صنعتی، ثقافتی اور معاشی تعاون کو فروغ دینا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب یہ ملک ایک دوسرے کی تہذیب سے واقف ہوں۔ اس کا سب سے موثر ذریعہ ہے زبان۔ یعنی ہم ایک دوسرے کی زبان جانیں اور ہمارے درمیان صنعتی، ثقافتی، معاشی اور ادبی تعلقات پیدا ہوں۔

مسابقتی عنوان کے تحت ہم سب سے پہلے اس بات پر غور کریں کہ انسانیت کیا ہے؟ تہذیب کسے کہتے ہیں؟ ان دونوں چیزوں میں کیا رابطہ ہے، کیا نسبت ہے اور کیا رشتہ ہے؟ جہاں تک انسانیت کی بات ہے تو یہ جگ ظاہر ہے کہ انسان کی جملہ حرکات وسکنات جو انسانی اقدار (Human Values) کے تحت ہوں ان سے انسانیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ انسان کا بنیادی وصف ہے دردِ دل۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

انسان اپنے اسی وصف کی بنا پر اشرف المخلوقات ہے۔ جب انسان کی تخلیق ہوئی تو اسے دو چیزیں دی گئیں۔ خیر اور شر اور اسے اس کے استعمال کی تمیز بھی عطا کی گئی۔ ساتھ ہی سزا

(۱۷) جغرافیہ ہندوستان،   (نام مصنف، مطبع وسنہ درج نہیں)
(۱۸) قدیم ہندوستان کی تاریخ، رماشنکر تر پاٹھی، (اردو ترجمہ سخی نقوی) ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۱ء
(۱۹) التصامن الاسلامی، اگست مکہ مکرمہ ۱۹۸۸ء
(۲۰) ہندوستان پس منظر و پیش منظر، سید محمد تقی، مشرق پریس کراچی ۱۹۶۸ء
(۲۱) ہندوستان کی تاریخ، پبلکیشنز ڈویژن، دہلی ۱۹۶۳ء
(۲۲) ورلڈ ریفرینس اٹلس، ڈارلنگ کنڈرس لی، لمیٹڈ لندن، ۱۹۹۸ء
(۲۳) ہندوستانی مصوری، ایک خاکہ، انیس فاروقی، نئی دہلی ۱۹۸۱ء
(۲۴) ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایات، بی این پانڈے، خدا بخش لائبریری پٹنہ
(۲۵) ہندوستان عربوں کی نظر میں، (جلد دوم) ضیاء الدین اصلاحی، معارف پریس، اعظم گڈھ
(۲۶) مسیحیت، علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں، مترجم مولوی شمس تبریزی، نامی پریس، لکھنؤ ۱۹۷۶ء

ہوتی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہندی کا یہ دوہا بھی اسی بات کی عکاسی کرتا ہے ؎

वृक्ष कबहुँ नहि फल भखै नदी न संचै नीर
परमारथ के कारने साधुन धरा सरीर

یعنی پیڑ کبھی اپنے پھل کو نہیں کھاتا اور ندی اپنے پانی کو نہیں پیتی اسی طرح سے نیک لوگوں کا جسم دوسروں کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔ اپنے نفس عمارہ پر قابو پا کر دوسروں کی دلجوئی، ہمدردی اور مدد کرنا ہی مقصدِ حیات ہے ؎

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس عمارہ کو گر مارا

ہم انسانیت کے جوہر سے تبھی مزین ہو سکتے ہیں جب انسان کے دکھ درد کو سمجھیں اور پریشان حال لوگوں، غریبوں، ناداروں، مفلسوں، معذوروں اور بے سہارا لوگوں کی امداد کریں اور ان کی خدمات انجام دیں۔ Service to humanity is service to God. خدا کی عبادت ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے دلوں کو جیتنا چاہتے ہیں تو ہمیں علامہ اقبالؔ کے اس آفاقی شعر سے سبق لینا چاہیے ؎

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

یعنی محبت ایک ایسی شئے ہے جس کے ذریعہ ہم پوری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔

آج دنیا ایٹمی دور سے گذر رہی ہے۔ کیمیائی اور جراثیمی اسلحہ بن چکے ہیں۔ دنیا تخریب کاری اور تباہ کاری و غارتگری کی طرف مائل ہے۔ دہشت گردی ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا ثبوت امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگن جیسی عمارتوں پر حملہ اور ہزاروں لوگوں کی ہلاکت ہے۔

اور جزا Reward and Punishment بھی متعین کی گئی۔ جن لوگوں نے خیر سے کام لیا وہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے حامل ہو گئے اور جنہوں نے شر سے کام لیا وہ حیوانیت کے مماثل ہو گئے۔

انسانیت کا دارو مدار تہذیب پر ہوتا ہے تو پہلے ہم اس بات پر غور کریں کہ تہذیب کیا ہے اور تہذیب یافتہ ہونا کیا ہوتا ہے۔ اور مہذب انسان اور قوم کسے کہتے ہیں۔ کیا شاندار اور قیمتی لباس زیب تن کرنا، لذیذ کھانے کھانا، مختلف اشیاء کی خرید کے لیے دولت مند ہونا تہذیب یافتہ ہونے کی علامت ہے؟ کیا اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا، قیمتی گاڑیوں میں سفر کرنا، خوبصورت اور عالیشان عمارتوں میں رہنا اور بیش قیمت سامان سے اپنے مکانوں کی زینت بڑھانا مہذب ہونے کی پہچان ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ملے گا۔ تہذیب کی علامت ہے تخیل کی آزادی، خیالات میں جدت طرازی، خوبصورت چیزوں کی تخلیق کاری اور ان انسانی اصولوں اور آفاقی ضوابط پر عمل پیرا ہونا جن سے لوگ ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ اس کے علاوہ فنون لطیفہ، سائنس، فلسفہ اور اخلاقیات کی تعلیم سے آراستہ ہونا، تہذیب یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔ اچھائی کی طرف راغب ہونا یعنی اپنے ہم سایوں کا خیال رکھنا اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا۔ یہ تمام چیزیں انسان اور قوموں کو مہذب بناتی ہیں۔ ہم سایہ لفظ کو اگر وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اس کے معنی پڑوسی ملکوں سے بھی ہے۔ ہم اپنے ہمسایہ ملکوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں، بھائی چارہ اور خیر سگالی کا جذبہ بیدار کریں۔

صدیوں پہلے ہمارے ہندوستان میں बहुजनसुखाय اور बहुजनहिताय یعنی سب کی بھلائی اور سب کا سکھ کا درس دیا گیا۔ دوسروں کی بھلائی کرنے اور راحت دینے سے جو خوشی حاصل

"Inspite of a liberal revolution or two, I can no longer be satisfied with such things namely robbery, starvation, disease, crime, drink, war, cruelty, cupadity and all the other names the newspapers call them; I would like to see Imperial Supermacy, National greatness and what not."

یہاں پر میں Imperial Supermacy سے متفق نہیں ہوں۔ بلکہ اس کی جگہ پر مجھے Democratic Supermacy یعنی جمہوری اقتدار سے اتفاق ہے۔ باقی باتیں برنارڈ شا کی قابلِ تعریف ہیں۔

آج کے دور میں انسان نے زندگی کے ہر میدان میں حد درجہ ترقی کر لی ہے۔ ناہید و مریخ و مشتری پر پہنچنے کی ہر چند کوشش کر رہا ہے۔ مگر کاش انسانی مسائل حل کرنے کی سعی کرتا۔ انساں نے ماہ و نجم کی راہیں تو ناپ لیں۔ خود اپنی انجمن میں اجالا نہ کر سکا۔ ایک بار مولانا آزاد جیسی جید شخصیت نے کہا تھا ''اگر میں اتنے اونچے منار پر کھڑا ہو جاؤں جہاں سے چاند ستاروں تک رسائی ہو جائے تو میں سرزمین ہندوستان کو ترجیح دوں گا۔''

ثقافتی تعلقات: جنوبی ایشیا کے ممالک خصوصاً سارک ملکوں میں ثقافتی تعلقات پیدا کرنے کے لیے مختلف فنون مثلاً رقص، گانے، ناٹک و ڈرامے وغیرہ کے ذریعہ ان ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آئیں یعنی رقاص و رقاصائیں، مغنی اور اسٹیج آرٹسٹ کا تبادلہ ہو۔ تا کہ لوگ ایک دوسرے کے کلچر سے واقف ہوں۔

ادبی تعلقات: ان ممالک کے شعرا، ادبا، مصنفین اور دانشوران آپس میں تبادلہ خیالات

آج دنیا کے بیشتر ممالک دوہری پالیسی کا شکار ہیں۔ایک طرف سربراہانِ مملکت امن وامان کی باتیں کرتے ہیں تو دوسری جانب انہیں ایٹمی طاقت کا زعم ہے۔ہمیں اس دوہری پالیسی کو ترک کر کے ترک اسلحہ (Disarmament) کی پالیسی اپنانی ہوگی اور پوری دنیا بالخصوص جنوبی ایشیا کے ملکوں کی رائے عامہ تیار کرنی ہوگی تا کہ ان ممالک میں امن وامان اور خیر سگالی کا ماحول پیدا ہو سکے۔اگر ہم جنوبی ایشیا کی تہذیبی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان ممالک کی تہذیب کی بنیاد انسانیت پر رکھی گئی تھی، جس پر امن وآشتی، بھائی چارہ، انسان دوستی اور خلوص کی جو عالیشان عمارت تعمیر کی گئی تھی وہ آج بھی مستحکم اور پائدار ہے۔انسان وہی ہے جس کا دل محبت سے سرشار ہو، ملک وقوم وملت کے لیے تڑپتا رہتا ہو اتنا ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کا درد آشنا ہو۔

سکونِ قلب، روحانی مسرت، تخیل کی بلندی، اخوت کا شعور اور قوتِ عمل سے ہی صالح سماج کا معیار بلند ہوتا ہے۔صالح افراد ہی صالح ملت کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں جذبۂ وفا ہو کیوں کہ اگر وفا نہیں تو ایمان نہیں اور اگر ایمان نہیں تو انسان نہیں۔وفا کا پاس انسانیت کا زیور ہے اور ایثار وقربانی وفا کی معراج ہے۔

دردِ دل پاس وفا جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

اس مادی دور میں انسان کی زندگی مشینی ہو کر رہ گئی ہے، پرانی روایات واقدار دم توڑ رہی ہیں۔اس پر آشوب دور میں ہمارے لیے اشد ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر رواداری، وضع داری، وفاداری اور دنیاداری کا جذبہ پیدا کریں ورنہ انسانیت اس مقام پر پہنچ جائے گی جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔مشہور ڈرامہ نگار برناڈ شا کے مطابق:

نظام مرتب کریں اور ایسا طرزِ حیات اختیار کریں جس میں رنگ و نسل اور قوم و مذہب کی تفریق نہ ہو، زردار اور نادار میں فرق نہ ہو، نہ احساس برتری ہو اور نہ احساس کمتری۔ سرمایہ داروں اور بے مایہ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ ہر شعبۂ حیات میں مساوات ہو۔

ترقی کا انحصار تہذیب پر ہوتا ہے۔ دنیا میں جو ملک تہذیب یافتہ ہیں وہ ترقی پذیر ہیں اور جو قومیں مہذب نہیں ہیں وہ روبہ زوال ہیں۔ معاشرتی، صنعتی، ثقافتی، علمی، ادبی، فنی، زرعی، معاشی، سائنسی اور طبعی غرض یہ کہ ہر شعبۂ حیات سے متعلق ترقی کے لیے اپنی تہذیب کا تحفظ ضروری ہے۔ تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ جن اقوام وملکوں نے اپنی تہذیب کو برقرار رکھا وہ ترقی یافتہ ملکوں کی صفِ اوّل میں آتے ہیں اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا ان کا شمار پچھڑے ملکوں میں ہوتا ہے۔

تہذیب اور انسانیت ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ انسانیت کا انحصار محبت، ایثار اور قربانی پر ہوتا ہے۔ بغیر ایثار و قربانی کے انسانیت عروج کو نہیں پہنچتی۔ اور جہاں جذبۂ ایثار ہوتا ہے وہاں محبت خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر طرح سے انسانیت کی خدمت انجام دیں اور ایک دوسرے کے جذبات، احساسات و خیالات کا احترام کریں۔ جن لوگوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے، انہوں نے قربانیاں پیش کیں اور ایثار سے کام لیا۔

کیا ہندو مسلم سکھ عیسائی یہودی جین پارسی بودھ کے لہو میں کوئی فرق ہوتا ہے؟ کیا کسی بھی قوم کے انسانوں کے اظہارِ مسرّت اور شادمانی میں کوئی امتیاز ہوتا ہے؟ کیا انسان، انسان کے جذبات جداگانہ ہوتے ہیں؟ تو پھر یہ فاصلے کیوں؟

پنڈت نہرو کے مطابق ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں سے خائف ہوتے ہیں؟

کریں تاکہ ایک ملک کے عوام دوسرے ملک کے عوام کے فن وادب سے واقف اور مستفید ہوسکیں۔

علمی مباحث : ان ملکوں میں علمی مباحث، مذاکرات اور سیمینار منعقد کیے جائیں۔ علماء، فضلاء اور دانشوران (Scholars) ملکوں میں مدعو کیے جائیں تاکہ ان لوگوں کے خیالات اور مشوروں سے دوسرے افراد استفادہ کرسکیں۔

ذرائع ابلاغ: دورِ حاضر میں مختلف ملکوں کی تہذیب وتمدن، علم وادب صنعت وحرفت اور ثقافت کے بارے میں جاننے کا سب سے اہم ذریعہ ابلاغ (Media) ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے توسط سے ہم ہر شعبۂ حیات سے متعلق معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ دوسرا ذریعہ اخبارات، رسائل اور جرائد کا ہے۔

درسِ روحانیت: ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم ان تمام ملکوں کے مذہبی رہنماؤں، اکابرین، مصلحین، قائدین، بزرگوں، فقیروں، سادھوؤں، مہاتماؤں کا احترام کریں اور ان کے درس اور اپدیشوں سے فیضیاب ہوں کیوں کہ یہ حضرات ہمیں روحانیت اور امن وآشتی کا پیغام دیتے ہیں۔

ان ممالک کے لوگوں کو ایک دوسرے کے دُکھ اور درد میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ ہمارے دلوں میں وہ درد ہونا چاہیے جو کہ انسانیت کا تقاضہ ہے۔

آج کی ضرورت ہے کہ ہم ایک ایسے سماج کو تشکیل دیں جس کی بنیاد قطعی طور پر تہذیب اور انسانیت پر ہو، جس میں نفرت کی جگہ پریم اور محبت ہو، بغض وحسد اور کینہ کی جگہ خلوص اور رواداری ہو۔ ہم ایسے معاشرے کا تصور کریں جس میں انتشار، ہنگامہ آرائی اور تصادم کی جگہ امن وامان ہو، قتل وغارتگری اور تباہ کاری کی جگہ بھائی چارہ اور خیرسگالی کا جذبہ ہو۔ ہم ایسا

اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایشیائی ملکوں کی تہذیب اعلیٰ اخلاقی اور انسانی قدروں کی آئینہ دار ہے۔ حالاں کہ آج ایشیائی ملکوں کے لوگ بھی مغربی تہذیب سے متاثر ہیں، اس کے دلدادہ ہیں جس کے دوررس نتائج بہت مضر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تہذیب کی تجدید کریں اور انسانیت سے اسے مربوط رکھیں۔

صدیوں سے جنوبی ایشیا کے ملکوں کی تہذیبیں ایک دوسرے سے متاثر رہی ہیں اور ایک دوسرے سے استفادہ کرتی رہی ہیں۔ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کی تہذیب تو ایک ہی تھی کیوں کہ آخرالذکر ممالک پہلے بھارت ہی کا حصہ تھے۔ اس کے علاوہ، نیپال، بھوٹان، سری لنکا اور مالدیپ کی تہذیبیں بھی زمانۂ قدیم سے بھارت کی تہذیب سے متاثر رہی ہیں۔ ان ملکوں کے مابین بہت پرانے ثقافتی، معاشی اور ادبی تعلقات رہے ہیں۔ آج ان تعلقات کو مزید استوار کرنے کی ضرورت ہے۔

آج پوری دنیا مہاتما گاندھی کے نام سے واقف ہے۔ انہوں نے ستیہ گرہ اور اہنسا کے ذریعہ جو عظیم کارنامہ انجام دیا اس کی مثال محال ہے۔ انہوں نے ضبط و تحمل (Tolerance) کا مظاہرہ کیا، خوں ریزی اور غارتگری کا نہیں۔ وہ تہذیب اور انسانیت کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ان کے ان اوصاف سے جنوبی ایشیا کے ممالک بے حد متاثر ہوئے۔ ہندوستان نے پنچ شیل کا اصول اپنایا جس کا سب سے اہم جزو پرامن مخلوط الوجود یعنی (Peaceful Co-existence) ہے۔ اور پنڈت نہرو جیسے لوگ اس پر تاحیات کاربند رہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور، فیض احمد فیضؔ اور قاضی نذرالاسلام کی وطن پرستی، انسان دوستی اور انقلابی شاعری سے جنوبی ایشیا نیز دنیا کے بیشتر ممالک متاثر رہے ہیں۔ ہندوستان میں تو زمانۂ قدیم سے ہی वसुधैवकुटुम्बकम् یعنی پورا کرۂ ارض (دنیا) ایک کنبہ ہے، کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔

○○○○○

آخر کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے قریب آنے سے گریزاں ہیں۔

ہمیں اتحاد و اتفاق اور یکجہتی قائم کرنے کے لیے ایک عالمی برادری کا تصور کرنا ہوگا۔ قومی یکجہتی اور بین الاقوامی یکجہتی کی نشو ونما دلوں اور دماغوں میں ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے دلوں اور دماغوں کو تربیت دینی پڑے گی۔

ہمارے درمیان کشیدگی، بیزاری اور بے رخی اس لیے ہے کہ ہمارے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ہمارا کردار پستی کی طرف مائل ہے۔ ہمارے ظاہر و باطن میں فرق ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ جنوبی ایشیا کے ساتوں ممالک میں خوشگوار اور دوستانہ تعلقات کی بحالی ہو اور یہ تعلقات قائم رہیں تو ہمیں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلنا پڑے گا۔ اتحاد و اتفاق قائم رکھنا پڑے گا۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کئی افراد مل کر خاندان اور متعدد خاندان مل کر گاؤں اور شہر اور بہت سے شہروں کا مجموعہ صوبہ اور صوبوں کا اجتماع ملک اور ممالک کا مجموعہ دنیا ہے۔ یعنی پوری دنیا ایک کنبہ یا پریوار ہے۔ لیکن خود غرض اور تنگ نظر لوگوں نے جغرافیائی حد بندی کر کے انسان کو انسان سے جدا کر دیا اور ملک و قومیں خود غرضی کے حصار میں قید ہو کر رہ گئیں۔ ہمیں اس حصار سے نکلنا ہوگا اور وسیع النظری اور فراخ دلی سے کام لینا ہوگا اور اس بات کی کوشش ذرائع ابلاغ کے توسط سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو جنوبی ایشیا کے ملکوں کے ثقافتی، ادبی و صنعتی پروگرام ٹیلی ویژن پر پیش کیے جائیں جس سے لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کی تہذیب و تمدن سے واقف ہوں۔

جنوبی ایشیا کی تہذیب اور مغربی ممالک کی تہذیب میں ایک بنیادی اور نمایاں فرق ہے۔ مغربی ملکوں میں بے راہ روی، عریانیت اور جنسی اختلاف پایا جاتا ہے اور یہی ان کی تہذیب ہے اور اس کو وہ لوگ ترقی (Advancement) کہتے ہیں جب کہ جنوبی ممالک کی تہذیب